بیاد: حضرت الحاج حافظ عبد الستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، فکری، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

نقوش اسلام



قیمت
20/=

چیف ایڈیٹر: محمد مسعود عزیزی ندوی

بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزی رحمۃ اللہ علیہ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

نقوش اسلام

VOL.No.20.21	ستمبر ۲۰۲۵ء تا جولائی ۲۰۲۶ء - Sept 2025 to July 2026	Issue.(7-12)(1-5)

مجلس سرپرستان

حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی
حضرت مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی
حضرت مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی
حضرت مولانا ظریف احمد قاسمی ندوی مدنی

مجلس مشاورت

مولانا سعید الرحمان فیضی ندوی مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی مولانا محمد منذر ندوی
مولانا حسن مرچی مولانا رشید احمد ندوی

مجلس ادارت

مفتی رحمت اللہ ندوی مولانا نواب عالم ندوی

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA. Cell.09719831058
E.mail : nuqusheislam@gmail.com
masoodazizi94@gmail,com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ.....۲۰/روپے
سالانہ.....۲۴۰/روپے
خصوصی.....۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 9719831058

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob.09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD MASOOD
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
آج کل بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی صورتِ حال:	محمد مسعود عزیزی ندوی	۶
سیرت نبوی		
محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم انسان کامل:	محمد سمعان خلیفہ ندوی	۸
جائزہ		
کامیاب انسان کی چند نمایاں صفات:	محمد جاوید اختر ندوی	۱۱
محاسن اسلام		
اسلام میں پاپائیت نہیں!	محمد نفیس خان ندوی	۱۴
اصلاح معاشرہ		
ایک اہم سنگین معاشرتی برائی:	مفتی رحمت اللہ ندوی	۱۶
موازنہ		
طب نبوی اور جدید سائنس:	ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی	۲۱
تجزیہ		
مشرق وسطی ایک تاریخی اور سیاسی مطالعہ:	محمد مسعود عزیزی ندوی	

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
فکر وعمل		۲۴
فکری پسماندگی اور سماجی زوال:	مولانا کبیر الدین فاران مظاہری	
تحقیق		۲۸
اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے نقصانات:	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	
ذکر الٰہی		۳۴
صاف ستھرا لباس بھی تسبیح وذکر اللہ میں مشغول رہتا ہے:	مفتی ذکاوت حسین قاسمی	
دعوت فکر		۳۷
تعلیم ڈھال بھی اور تلوار بھی:	ابن رضوان مظاہری مرزاپوری	
تحلیل وتلقین		۳۹
آج کے طالب علم کیسے مدرسے میں پڑھنا پسند کرتے ہیں:	مولانا کبیر الدین فاران مظاہری	
سیرت وسوانح		۴۲
حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی:	محمد مسعود عزیزی ندوی	
راہ فلاح		۴۵
کامیاب زندگی کے تین اہم اصول:	مولانا محمد اویس مظاہری سہارنپوری	
مطبوعات		۴۸
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں		

❑❑❑❑❑❑

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین (فل سائز).....۳۰۰۰

// // اول اندرونی // // ۲۵۰۰

// // آخر اندرونی // // ۲۰۰۰

صفحہ اندرونی (فل سائز) ۱۰۰۰

آدھا صفحہ اندرونی ۶۰۰

¼ صفحہ // ۴۰۰

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰/ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

آج کل بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی صورتِ حال

محمد مسعود عزیزی ندوی

دنیا اس وقت ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے جہاں ترقی، سائنس، ٹیکنالوجی اور عالمی روابط نے انسان کو بے شمار سہولتیں فراہم کی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ظلم، ناانصافی، جنگ، تعصب اور انسانی حقوق کی پامالی جیسے مسائل بھی شدت اختیار کر چکے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بھی ان عالمی حالات سے متاثر ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان مختلف نوعیت کے چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں۔ کہیں جنگ و جدل نے ان کی زندگیوں کو اجاڑ دیا ہے، کہیں سیاسی عدم استحکام نے ترقی کی راہیں مسدود کر دی ہیں، کہیں معاشی بدحالی نے ان کے مسائل میں اضافہ کر دیا ہے اور کہیں مذہبی تعصب اور امتیازی سلوک ان کے لیے مشکلات پیدا کر رہا ہے۔ تاہم یہ حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ دنیا بھر کے مسلمان ایک جیسے حالات سے نہیں گزر رہے۔ بہت سے ممالک میں مسلمان امن و استحکام کے ساتھ تعلیم، تجارت، سائنس، طب، صنعت اور سماجی خدمت کے میدانوں میں قابلِ قدر خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے کردار سے اسلام کے حقیقی پیغام کو اجاگر کر رہے ہیں۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان جب بھی علم، اتحاد، انصاف اور اعلیٰ اخلاق کو اپنا شعار بناتے رہے، انہوں نے دنیا کی قیادت کی۔ بغداد، قرطبہ، دمشق، دہلی اور بعد کے دور میں دیوبند اور ندوہ جیسے علمی مراکز سے علم و حکمت کی روشنی پورے عالم میں پھیلی۔ مسلمانوں نے ریاضی، فلکیات، طب، فلسفہ، کیمیا اور انجینئرنگ کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے جن سے پوری انسانیت نے فائدہ اٹھایا۔ لیکن جب مسلمانوں نے علم سے دوری اختیار کی، باہمی اختلافات کو ہوا دی، اور اپنی اخلاقی و فکری قوت کو کمزور ہونے دیا تو ان کی اجتماعی طاقت متاثر ہوئی۔ آج بھی مسلمانوں کو درپیش بہت سے مسائل کی ایک بڑی وجہ باہمی انتشار، کمزور تعلیمی نظام، معاشی انحصار اور تحقیق سے دوری سمجھی جاتی ہے۔

موجودہ دور میں دنیا کے بعض علاقوں میں جنگوں اور تنازعات نے لاکھوں مسلمانوں کو بے گھر کر دیا ہے۔ بہت سے خاندان اپنے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے، بے شمار بچے تعلیم سے محروم ہو گئے اور لاکھوں افراد بنیادی سہولیات سے بھی محروم زندگی گزار رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض معاشروں میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں اور تعصّبات بھی پائے جاتے ہیں، جن کے باعث مسلمانوں کو امتیازی سلوک یا سماجی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ صورتِ حال نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لیے تشویش کا باعث ہے، کیونکہ ظلم اور ناانصافی کسی ایک قوم یا مذہب تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوتے ہیں۔

دوسری طرف یہ حقیقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ دنیا بھر میں بے شمار مسلمان اپنی محنت، قابلیت اور کردار کی بدولت مختلف شعبوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ مسلمان سائنس دان، ڈاکٹر، انجینئر، اساتذہ، تاجر، سماجی کارکن اور علماء محققین مختلف ممالک میں انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔ کئی مسلمان ادارے تعلیم، صحت، فلاح و بہبود اور قدرتی آفات کے دوران امدادی سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ تمام مثبت پہلو اس بات کا ثبوت ہیں کہ مسلمان اگر علم، محنت اور دیانت کو اپنا شعار بنائیں تو وہ دنیا میں عزت و وقار کے ساتھ اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

اسلام نے ہمیشہ امن، عدل، رواداری اور انسانیت کی خدمت کا درس دیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو اعتدال، انصاف اور خیر خواہی کی تعلیم دی ہے، جبکہ حضرت محمد ﷺ کی پوری زندگی رحم، برداشت، صبر اور حسنِ اخلاق کا بہترین نمونہ ہے۔ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے دین کی حقیقی تعلیمات کو سمجھیں اور اپنی زندگیوں میں نافذ کریں۔ صرف جذباتی نعروں سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ علم، تحقیق، اتحاد، صبر، حکمت، شعور، منصوبہ بندی اور مثبت عمل ہی قوموں کو ترقی کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ عالمی برادری مذہب، نسل اور زبان سے بالاتر ہو کر ہر انسان کے بنیادی حقوق کا احترام کرے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم، جنگ یا انسانی بحران ہو، وہاں انصاف اور امن کے قیام کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔ کسی بھی قوم یا مذہب کے ساتھ امتیازی سلوک عالمی امن کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح

مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے کردار، علم، دیانت اور اخلاق سے اسلام کا صحیح تعارف پیش کریں، کیونکہ بہترین کردار اور اچھے اخلاق بہترین تبلیغ ہے۔

آج کا دور مسلمانوں کے لیے خود احتسابی کا بھی دور ہے۔ اگر مسلمان تعلیم کو اپنی اولین ترجیح بنائیں، جدید سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کریں، باہمی اتحاد کو فروغ دیں، فرقہ واریت، مسلکی تعصب، جماعتی گروہ بندی، الگ الگ ٹولیوں اور نفرت سے بچیں، دیانت داری، محنت اور اخلاق کو اپنی پہچان بنائیں تو وہ نہ صرف اپنے مسائل پر قابو پا سکتے ہیں بلکہ دنیا کی تعمیر و ترقی میں بھی نمایاں کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں، بلکہ امید، مسلسل جدوجہد اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہی کامیابی کی بنیاد ہیں۔

آخر میں یہی پیغام دیا جا سکتا ہے کہ مسلمان اپنے دین کی اصل روح کو سمجھیں، علم کو اپنا ہتھیار، اتحاد کو اپنی طاقت، اخلاق کو اپنی شناخت اور خدمتِ انسانیت کو اپنا مقصد بنائیں۔ جب مسلمان قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے محبت، عدل، برداشت، صبر و شکر اور خیر خواہی کا راستہ اختیار کریں گے تو نہ صرف ان کے اپنے حالات بہتر ہوں گے بلکہ وہ پوری انسانیت کے لیے امن، ترقی اور خوش حالی کا ذریعہ بھی بنیں گے۔ یہی اسلام کا حقیقی پیغام ہے اور یہی موجودہ دور کی سب سے بڑی ضرورت بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد، حکمت و دانائی، بیداری، شعور، صبر و تحمل، ایک دوسرے کا اعتراف جیسی صفات پیدا فرمائے اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنے اور پھر حسن تدبیر اختیار کرنے کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا
علامہ محمد اقبالؒ۔

سیرت نبوی

محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانِ کامل

محمد سمعان خلیفہ ندوی
(استاذ جامعہ اسلامیہ، بھٹکل)

انسانوں کی اس دنیا میں بہت سارے انسان آئے، اپنے فضل میں یگانہ، اپنے کمال میں یکتائے زمانہ، مصلحین آئے، مدبرین آئے، موجدین آئے، مکتشفین آئے، حکماء آئے، فلاسفہ آئے، شعراء آئے، فاتح آئے، کشور کشا آئے، حکمراں آئے، فرماں روا آئے، مگر کون ہے کہ ''رحمۃ للعالمین'' کا تاج اُس کے سر پر سجے، آئے دنیا میں پاک ومکرم بن کر مگر آیا نہ کوئی رحمتِ عالم بن کر، کفر کی شب سیاہ تھی، ظلمتوں کی سیاہ تھی، ہر سو تاریکی تھی، نوعِ انساں ترس رہی تھی نگاہ رحمت کے لئے، شادابی اور برکت کے لئے، روئے زمین پر انسان نہ تھا، انسان کی صورت میں حیوان تھا، بلکہ حیوان بھی انسان کے لئے پشیمان تھا، اسی شبِ دیجور میں افقِ عالم پر ''ماہ تابِ رحمت'' ماہِ تمام بن کر چمکتا ہے اور فضا بدل جاتی ہے، آسمان بدل جاتا ہے، ''رحمت کا بادل'' برستا ہے اور خدا کی ساری کھیتی ہری ہو جاتی ہے، پھر اس سے نہ آبی محروم رہتے ہیں نہ خاکی، پوری دنیائے انسانیت میں بہار آجاتی ہے، انسانیت کا سر اونچا ہو جاتا ہے کہ آج ''انسانِ کامل'' کی آمد آمد ہے۔

''دنیا کے ہر انسان کو فخر کرنا چاہئے کہ ہماری نوعِ انساں میں ایک ایسا انسان پیدا ہوا جس سے انسانیت کا سر اونچا اور نام روشن ہوا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ آتے تو دنیا کا نقشہ کیا ہوتا؟ اور ہم انسانیت کی شرافت وعظمت کے لیے کس کو پیش کرتے؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر انسان کے ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِس دنیا کی رونق اور نوعِ انسانی کی عظمت ہے، وہ کسی قوم کی مِلک نہیں، اُن پر کسی ملک کا اجارہ نہیں، وہ پوری انسانیت کا سرمایۂ فخر ہیں، کیوں آج کسی ملک کا انسان فخر ومسرت کے ساتھ یہ نہیں کہتا کہ میرا اُس نوع سے تعلق ہے جس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا انسانِ کامل پیدا ہوا۔''

(کاروانِ مدینہ: از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی/ص ۶۷)

''انسانِ کامل'' ''رسولِ کامل'' بن کر آیا اور دنیا میں انقلاب آ گیا، زمانہ بدل گیا، رت بدل گئی، ہوا کا رخ بدل گیا، انسان کو صحیح رخ مل گیا اور اُس کی صلاحیتوں کو صحیح سمت مل گئی، انسانیت کی چول جو کل تک اپنی جگہ سے کھسکی ہوئی تھی، صحیح جگہ بیٹھ گئی، انسان انسان بن گیا، دنیائے دنی کا تعلق ملائے اعلیٰ سے جڑ گیا، خالقِ کائنات کی نگاہِ لطف ومہر کائنات کی طرف متوجہ ہوئی، ''وحدتِ رب'' ملی، ''وحدتِ اَب'' ملی، عدل و انصاف ملا، چین وسکون ملا، انسانیت کے تن نازک میں شاہیں کی روح بیدار ہوئی، غم کو مداوا ملا، درد کو درماں ملا، جسم وجاں کے روگ دور ہوئے، تہذیب وتمدن کی الجھنیں کافور ہوئیں، یہ سب اُسی ''انسانِ کامل'' کی آمد کا فیض تھا جو سب سے کامل، سب سے مکمل تھا، حسن صورت، حسن سیرت، حسن انسانیت اور حسن نبوت کا سب سے حسیں شاہکار تھا، اس لئے کہ اس کی پرورش حسن کے خالق نے کی تھی، أَدَّبَنِی رَبِّی فَأَحسَنَ تَأدِیبِی، جو شہِ انبیاء تھا، سرگروہ اِصفیاء تھا، جو خلق کا داور

تھا، خالق کا آخری پیغام بر تھا، جو دانائے سبل تھا، ختمِ رسل تھا، جس کی شخصیت ماہِ تمام تھی، جس کی ذات مسکِ ختام تھی، جس کا نقش نقشِ دوام تھا، جس کا فیض فیضِ عام تھا، وہ کہ جس کا جمال زینتِ محفلِ حیات اور جس کے کوچے کا غبار سرمۂ چشمِ کائنات ٹھہرا، وہ جس کے کردار کی عظمت کی گواہی اخلاقِ عالم نے دی، جس کے حسنِ خلق کی شہادت قلمِ تقدیر نے کتابِ ازل میں ثبت کر دی، اندھیروں کی حکومت میں تجلی کا وہ ''سفیر''، شہنشاہی بھی جس کے پاؤں چومے وہ ''فقیر''، وہ کہ جس کی ذات وجہِ تخلیقِ کائنات، جس کی زلفِ تاباں معراج کی حسیں رات، وہ کہ جس کو ''کوثر'' کا مژدۂ جاں فزا ملا، وہ کہ جس نے ''رفعِ ذکر'' کی نویدِ دل کشا پائی، ''سدرۃ المنتہیٰ'' جس کی رہ گزر اور ''قابِ قوسین'' جس کی گردِ سفر میں، جبریل کے پر جس مقام پر جلے اُس کی حقیقتوں کا شناسا، بارگاہِ لامکاں میں بار پانے والا وہ رہ نوردِ جادۂ اسریٰ (ﷺ)۔

وہ سراپا نور و نکہت، وہ سراپا سرور و محبت، وہ سراپا مہر و رحمت، وہ سراپا محبت و محبوبیت، وہ سراپا عدل و انصاف، فکر و نظر کی بلندی کی تاج اسی کے لیے زیبا، کردار و گفتار کے حسن کا جامہ اسی کے وجود پر سجتا ہوا، وہ مجسم اخلاق، وہ پیکرِ صدق و صفا، وہ مخزنِ مہر و وفا، وہ منبعِ خیر و سخا، وہ معدنِ اکرام و عطا، حضور پُر نور (روحی فداہ) کی ذات والا صفات ہے۔

یہ وہ انسانِ کامل تھا، جس کی ذات کو پہلے جملہ کمالاتِ انسانیت پھر جملہ کمالاتِ نبوت سے نواز کر دستِ قدرت کے ذریعے جملہ اوصاف سے سجا کر منظر پہ لایا گیا اور اس کو انسانوں کے لیے نمونہ بنایا گیا، ہاں انسانوں کے لئے، جو انسان بن کر رہنا چاہتے ہیں، جو آدمیت کو وجہِ کمال سمجھتے ہیں، جو انسان ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں، جو انسانیت کو اپنی ترقی کی معراج سمجھتے ہیں، قیامت تک آنے والے ایسے انسان اگر کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں اور سچی خوشیوں سے اپنے دامنِ مراد کو بھرنا چاہتے ہیں اور حقیقی معنوں میں انسان بننا چاہتے ہیں وہ ''انسانِ کامل'' ﷺ کی سیرتِ کاملہ و جامعہ کے آئینے میں اپنا چہرا دیکھ لیں۔ مگر وہ جو انسانیت کو ایک عار سمجھتے ہیں، جو لباسِ انسانیت کو تار تار کرتے ہیں، جو خود انسانیت کے نام پر ایک کلنک اور بدنما داغ ہیں، جو انسانیت کے لباسِ زینت کو اپنے اوپر سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں اور پھینک بھی چکے ہیں، اُنھیں انسانِ کامل ﷺ کے کمالات کی روشنی اچھی نہیں لگتی تو ماتم کریں اپنی کم مائیگی اور کوتاہ بختی کا، سر پیٹیں اپنی بے ضمیری پر، کوسیں اپنی درندگی کو، اور واپس کر دیں انسانی رفعت کے اس تاجِ سروری کو جو اُس کے سر پر انسانِ کامل ﷺ نے رکھا تھا، جسے انھوں نے اپنے پیروں سے روند کر خاک میں ملا دیا اور اپنی بہیمیت اور ہوس ناکی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

یہ انسان نما مخلوق جو جانور بن کر اپنے وجود پر اتراتی ہے اور انسان ہونا اس کے لئے میسر نہیں، ان کی قیادت میں دنیا اپنے محسنِ اعظم ﷺ کے ساتھ کیا کچھ سلوک کر رہی ہے، عالم آشکار ہے (اور اسے ہماری حرماں نصیبی کہیے یا بدعملی کی سزا کہ ایسے دن دیکھنے کو ہم زندہ رہے)۔ پھر بھی اپنے سخت سے سخت دشمنوں کے ساتھ عفو و درگذر کا سلوک ''رسول انسانیت'' کا حسین گلدستہ آج بھی مہک رہا ہے، مشامِ جاں کو مہکا رہا ہے، رشکِ سمن اور جانِ چمن بن کر دامنِ دل کو کھینچ رہا ہے تا کہ زندگی کی حقیقی سانسیں رکھنے والے انسان اپنی زندگیوں کو معطر کر لیں، سیرت کا یہ مینارۂ نور صدا دے رہا ہے کہ ہے کوئی جو ''آفتاب رسالت'' کی نوری کرنوں سے جہانِ دل میں اجالا کر لے اور ویرانۂ قلب کو آباد کر لے۔

﴿بقیہ صفحہ ۲۳ پر﴾۔۔۔۔۔

جائزہ

کامیاب انسان کی چند نمایاں صفات

محمد جاوید اختر ندوی

اس کائنات میں زندگی بسر کرنے والا ہر انسان مختلف شعبہائے حیات میں ایک کامیاب فرد بن کر معاشرہ کا مفید ترین حصہ بننا چاہتا ہے، مگر کبھی چھوٹی اور معمولی کمی اس کو منزل تک پہنچنے سے روک دیتی ہے اور وہ کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے، حالانکہ انسانی اخلاق کی خوبیاں اُس کی کامیابی اور انسانی اخلاق کی خامیاں اُس کی ناکامی کا ذریعہ بنتی ہیں، یہ خوبیاں اور خامیاں بنیاد کا پتھر ہیں اور دنیا کے ہر فرد میں ہر جگہ دیکھی، سنی اور محسوس کی جا سکتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہی خوبیاں آگے چل کر انسانی عمل کو سہارا دیتی اور قوتِ عمل فراہم کرتی ہیں، پھر انسان مختلف النوع معلومات و ذرائع (علم، ہنر، مطالعہ، تجربہ، مشاہدہ وغیرہ) کی مدد سے اس عمل کو پروان چڑھاتا اور ترقی دیتا ہے، انسانی اخلاق کی چند خوبیاں کچھ اس طرح ہیں:

امانت و دیانت:

کامیاب انسان کی خوبیوں میں سب سے ضروری اور اہم خوبی ''دیانت و امانت'' ہے، دیانت دو طرح کی ہے: اول اپنی ذات سے دیانت، دوم دوسروں سے دیانت، اپنی ذات سے دیانت تو یہ ہے کہ انسان اپنی خوبیوں اور خامیوں کا بالکل سچا جائزہ لے، اپنی زندگی کو با مقصد بنائے، اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا رہے۔

دوسروں سے دیانت یہ ہے کہ انسان انہیں صحیح مشورہ دے، ان کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، ان سے حسد و بغض نہ رکھے، انہیں اپنی دعاؤں میں شامل رکھے۔

ثبات و استقامت:

مطلب یہ ہے کہ انسان جو کام بھی کرے اسے کچھ ہی عرصے میں چھوڑ نہ دے، بعض اوقات؛ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک کام شروع کرتا ہے؛ لیکن فوری نتیجہ برآمد نہ ہونے پر مایوس ہو جاتا ہے، اپنی محنت چھوڑ دیتا اور ہمت ہار بیٹھتا ہے، کسی مرد حکیم کا قول ہے کہ: ''انسان اکثر صرف اس لئے ناکام رہتا ہے کہ کامیابی کے کنارہ پہنچ کر کامیابی کے لئے محنت چھوڑ دیتا ہے''۔ جبکہ انسان کو چاہیے کہ انسان مسلسل محنت کرتا رہے، کہ یوں کہہ لیں کہ کامیابی کسی فوری نتیجہ کا نام نہیں، بلکہ جہد مسلسل کا نام ہے جب تک کہ مطلوبہ نتیجہ حاصل نہ ہو جائے۔

تحمل و بردباری:

انسانی زندگی میں دنیوی اور دینی دونوں اعتبار سے یہ بہت بڑی خوبی ہے، اس کے برخلاف غصہ ہے، مثل مشہور ہے کہ: ''غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہو کر ندامت پر ختم ہوتا ہے''۔ غصہ میں آنا عقل مندی ہے نہ بہادری؛ لیکن معاشرہ کا مزاج کچھ ایسا بن گیا ہے کہ بات بات پر غصہ کرنے کو خوبی سمجھا جاتا ہے، انسان خود غور کرے کہ کیا وہ ایسے شخص سے ملنا پسند کرے گا جو چھوٹی چھوٹی بات پر غصہ کرنے اور لڑنے بھڑنے کو تیار ہو؟ پھر بھلا اپنے

لئے اس صفت کو کیوں منتخب کرنا چاہتا ہے؟ تحمل انسانی اخلاق کی وہ خوبی ہے جس کے ذریعہ کامیابی کے راستہ روشن ہوتے ہیں۔

سخاوت وفیاضی:

پیسہ ہو یا کوئی اور شئے کسی کو دینا سخاوت ہے، انسانی کمزوری ہے کہ وہ دوسرے سے لینا چاہتا ہے؛ لیکن وہی انسان کامیاب رہتا ہے جو دوسروں سے لینے کی خواہش رکھنے کے بجائے دوسروں کو دینے کی کوشش میں رہتا ہو، اور مشہور حدیث کا مفہوم ہے کہ: ''اپنے بھائی (دوسروں) کے لئے بھی وہی منتخب کرو جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو''۔

اعتماد وبھروسہ:

اصل اعتماد وتوکل تو بس خدا کی ذات ہی پر کیا جاسکتا ہے مگر بھروسہ انسانوں پر بھی کیا جاتا ہے، یہ خوبی انسان کی کامیابی کی لازمی شرائط میں سے ہے، اس لیے دنیا کی زندگی میں ہر شخص ایک دوسرے سے مربوط ہے، کسی کو ہماری ضرورت ہے تو ہمیں کسی کی، دنیا کا نظام یوں ہی چلتا آرہا ہے اور چلتا رہے گا، جو لوگ ہر کام خود ہی کر لینا چاہتے ہیں وہ دراصل دوسروں پر بھروسہ نہیں کرتے، دوسروں پر بھروسہ کرنے کے لئے ہمت وفراست چاہئے جو ان کے پاس نہیں ہوتی۔

جرأت وہمت:

فیصلہ کرنے کی جرأت، عمل کی جرأت، مشکل کو ممکن میں بدل دینے کی جرأت؛ جب انسان کوئی فیصلہ کرتا یا عمل کرنے لگتا ہے تو اسے طرح طرح کے خوف گھیر لیتے ہیں، یہی خوف اسے آگے بڑھنے نہیں دیتے، کامیاب اور ناکام انسان میں ایک واضح فرق اسی جرأت اور خوف کا بھی ہوتا ہے، خوف کامیاب ہونے نہیں دیتا اور ہمت وجرأت انسان کو کامیابی کی شاہ راہ پر گامزن کردیتی ہے۔

احساس ذمہ داری:

اپنی مشکلات ومسائل کے لئے کسی نظام یا فرد کو قصوروار قرار دینا' ایک عام مزاج بن چکا ہے، ایسا کرنا بہت آسان ہے کیوں کہ اس میں آدمی کو بغیر کسی محنت کے فوری آرام مل جاتا ہے تاہم یہ رویہ اخلاق کی خوبی نہیں خامی ہے، اس کی جگہ اپنے مسائل و مشکلات کی ذمہ داری خود قبول کرنا اور جو کچھ آپ کرنا چاہتے ہیں یا آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے، اسے مکمل کرنا کامیاب انسان کی صفت ہے، اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنے والے انسان ہی تندہی اور یکسوئی سے کام کرتے اور کامیاب وبامراد ہوتے ہیں۔

تواضع وانکساری:

یہ انسانی اخلاق کی سب سے بڑی خوبی ہے، جب تک آدمی خود کو متواضع نہیں سمجھتا، اس کے اندر دوسروں سے خوش اخلاقی سے برتاؤ کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوتا، ایسا آدمی اپنے کو سب سے برتر سمجھتا ہے، لہٰذا دوسروں سے ملتے ہوئے کتراتا ہے، اللہ تعالیٰ کو انسان میں سب سے محبوب تواضع کی صفت ہے اور سب سے ناپسندیدہ غرور وتکبر۔

یہی وجہ ہے کہ بے پناہ عبادت کے باوجود ابلیس محض اپنی عاجزی نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مورد بنا، یہ بڑا عجیب معاملہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر غرور ہوتا ہے وہ دوسروں سے کٹ جاتے ہیں، گویا دوسرے انہیں پسند نہیں کرتے، حالانکہ وہ آدمی غرور اس لئے کرتا ہے کہ لوگ اس سے زیادہ ادب اور عزت کے ساتھ ملیں، اس کی جگہ جس شخص میں بھی تواضع ہو، اس سے لوگ ملنا چاہتے ہیں، چنانچہ کامیاب زندگی کے لیے ضروری ہے کہ انسان کے اندر تواضع وفروتنی کی صفت موجود ہو۔

تعریف وتوصیف:

ہر انسان اپنی تعریف سننا چاہتا ہے؛ لیکن وہ دوسروں کی تعریف نہیں کرتا۔ جب کہ کامیاب انسان کی خوبی یہ ہے کہ وہ دوسروں کی تعریف کرے جب وہ کسی کی تعریف کرتا ہے تو اس کے اندر اعتماد بڑھتا ہے، اپنے آپ پر اور اُس انسان پر، پھر وہ اپنی پوری توجہ اور توانائی کے ساتھ اُس کے کام میں لگ جاتا ہے؛ لیکن جب کسی کی محض حوصلہ شکنی کی جاتی ہے تو وہ پست ہمت ہو کر ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھتا ہے، تعریف اور ترغیب آدمی کے لیے بہترین مہمیز کا کام کرتے ہیں۔

قدروقابو:

خود پر بھی اور اپنے ماحول پر بھی، یہ کامیاب انسان کی ایک بڑی خوبی ہے، اس لیے کہ وہ بچپن، لڑکپن اور نوجوانی میں خود کو قابو نہیں کر پاتا اور فوری ردعمل ظاہر کر بیٹھتا ہے، لہٰذا اس کا ماحول بھی اس کے قابو میں نہیں رہتا، اپنی مرضی کا نتیجہ (کامیابی) حاصل کرنے کے لیے اپنے اردگرد کے ماحول کو اس نتیجہ کے مطابق ڈھالنا ضروری ہے، ماحول کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کے لیے اسے قابو کرنے کا ہنر آنا چاہیے، اپنے ماحول کو قابو کرنے کے لیے پہلے خو کو قابو کرنے کا فن آنا چاہیے۔

یہ چند نمایاں خوبیاں تھیں، ان کے علاوہ اور بھی باتیں ہیں جن کو انسان روزمرہ کی زندگی میں اپنے ماحول و معاشرہ میں دیکھتا اور بخوبی محسوس کرتا ہے اور ان سے عبرت لیتا ہے۔

(بشکریہ تعمیر حیات اپریل ۲۰۲۵)

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۳۸ کا﴾۔۔تو وہ ٹیکنالوجی کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے، نہ کہ مقصد کو ٹیکنالوجی کے حوالے کر دے۔

اسی حقیقت کی ایک روشن مثال وہ مشہور گفتگو ہے جو مفتی شمائل صاحب اور جاوید اختر کے درمیان ہوئی۔ جاوید اختر نے کھلے لفظوں میں خدا کے وجود کا انکار کیا اور اسے محض ایک تصور قرار دیا۔ مگر مفتی شمائل صاحب نے جذبات سے نہیں بلکہ علم سے بات کی۔ انہوں نے سائنس، Couse and Effect (سبب اور نتیجہ)، یونیورس کی پلاننگ اور انٹیلیجینٹ ڈیزائن جیسے مضبوط دلائل کے ذریعے یہ واضح کیا کہ یہ کائنات خود بخود وجود میں نہیں آسکتی۔

یہ ان کا علم ہی تھا جس نے انہیں ہر دل عزیز بنایا، کیونکہ اسلام دلیل سے بات کرنے کا نام ہے، شور مچانے کا نہیں۔ قرآن بار بار کہتا ہے: **أفلا تعقلون** (کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)۔

یعنی تم کو عقل سے کام لینا چاہیے اپنی عقل کے مطابق سوچنا چاہئے ۔ میرے عزیزوں !علم وہ امانت ہے جو ماں باپ اور اساتذہ آنسوؤں کے ساتھ اپنے بچوں کے حوالے کرتے ہیں۔ ایک باعلم مسلمان صرف اپنی زندگی ہی نہیں سنوارتا، بلکہ وہ آنے والی نسلوں کے لیے چراغ بن جاتا ہے۔ علم کے بغیر عبادت میں بھی گہرائی نہیں آتی، اور علم کے بغیر دنیا بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔

آخر میں یہی کہونگا کہ آج کے اس اے آئی کے زمانے میں تعلیم مسلمان کی ڈھال بھی ہے اور تلوار بھی۔ وہ تعلیم جو ایمان کو مضبوط کرے، عقل کو روشن کرے اور انسان کو انسان بنائے۔ اگر ہم نے علم کو تھام لیا تو یہ دنیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، اور اگر ہم نے علم کو چھوڑ دیا تو زمانہ ہمیں روند کر آگے بڑھ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں علم نافع عطا فرمائے اور ہمیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آج کے اس پرفتن دور میں ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

اسلام میں پاپائیت نہیں!

محمد نفیس خان ندوی
(استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء)

پاپائیت وہ نظامِ زندگی ہے جس میں انسان کے تمام روحانی اور مذہبی اختیارات کسی پوپ (اعلیٰ مذہبی رہنما) کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ اس تصور کے تحت، ایک عام انسان نہ براہِ راست اپنے رب سے تعلق قائم کرسکتا ہے اور نہ اس کے احکام کو سمجھ سکتا ہے، بلکہ اس کی عبادات، اس کی دعائیں اور اس کے گناہوں کی معافی سب پوپ کی مرضی یا سفارش سے مشروط ہوتی ہیں۔

پاپائیت کا نظام مذہبی تاریخ میں ایک مخصوص ارتقا کے نتیجے میں ابھرا، جس کی جڑیں یونان و روم کی تاریخی اور معاشرتی ترقیات سے وابستہ ہیں۔ اس دور میں مذہب اور سیاست دو الگ دھارے نہ تھے بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو سمجھے جاتے تھے۔ ان کے اپنے عقائد و رسوم تھے، ایک مخصوص فلسفۂ حیات تھا جس کے ذریعہ فرد و معاشرہ کی فلاح و بہبود کا سامان فراہم کیا جاتا تھا، مذہب اور سیاست دونوں کو عوام کی اصلاح، ان کی خوشحالی اور ترقی کے لئے لازم وملزوم سمجھا جاتا تھا۔

مگر جب مسیحیت نے رومی سلطنت میں قدم رکھا تو اس نے اس ہم آہنگی اور یگانگت کی بنیادیں متزلزل کردیں جو صدیوں تک مذہب و سیاست کو باہم جوڑے ہوئے تھیں۔ اس کے نتیجے میں ایک نیا نظریہ پروان چڑھا جس نے دین اور دنیا کے دائروں کو علیحدہ کردیا۔ اس تفریق نے ''قیصر اور خدا کے حقوق'' کے درمیان ایک واضح خطِ فاصل کھینچ دیا۔ چنانچہ مذہب اور ریاست دو متوازی قوتوں کی صورت اختیار کر گئے، جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں مطلق العنان بن بیٹھا۔ ریاست کو امن وامان، نظم و ضبط اور مادی خوشحالی کی ضمانت سمجھا گیا، جبکہ کلیسا نے روحانی نجات، اخلاقی نگرانی اور اخروی فلاح کے ضامن کے طور پر اپنے اختیارات مضبوط کرلئے۔ اس نئے نظام میں قیصر (بادشاہ یا سیاسی حکمران) ریاستی نظم کا ذمہ دار ٹھہرا، اور پوپ (کلیسا کا سربراہ) مذہبی و روحانی معاملات کا محور قرار پایا، جو خدا اور بندے کے درمیان اعلیٰ ثالث اور واسطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس طرح مغربی دنیا میں کلیسا اور سلطنت کے درمیان ایک ایسا دوہرا ڈھانچہ وجود میں آیا جس نے قرونِ وسطیٰ کے پورے سیاسی و مذہبی منظرنامے کو تشکیل دیا۔

پوپ کی حیثیت نہ صرف ایک مذہبی پیشوا کی تھی بلکہ اسے سیاہ وسفید کا مالک، قانون وشریعت کی تعبیر وتاویل کا مختارکل اور حلال وحرام کی سرحدوں کا تعین کرنے والا سمجھا جاتا تھا۔ اس کے حکم کے مقابلہ میں شاہی فرمان کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ گنہگاروں، خاص طور پر اہلِ ثروت کے لئے مغفرت کا پروانہ اسی کے در سے حاصل ہوتا، اور اعترافِ گناہ (Confession) کے نام پر کلیساوں میں انسانی کمزوریوں اور معصیتوں کو نقد، جنس یا دیگر وسائل کی صورت میں خریدا اور بیچا جاتا۔

اعترافِ گناہ کا یہ نظام دراصل عوامی ذہنیت کو قابو میں رکھنے

اور انہیں نظام پاپائیت کے تحت مشروط کرنے کا ایک مؤثر حربہ تھا۔ ہر فرد پر لازم تھا کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف پادری یا مذہبی رہنما کے سامنے کرے۔ جس کے نتیجہ میں عام لوگ سخت سزاؤں اور تادیبی اقدامات سے دوچار ہوتے، جبکہ امیر و صاحبِ حیثیت افراد مالی نذرانوں یا دیگر مراعات کے بدلے بخشش نامے حاصل کر کے اپنے گناہوں سے سبک دوش ہو جاتے تھے۔

پوپ کی حکم عدولی ایک ایسا سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا جس کی سزا صرف موت نہیں بلکہ انتہائی اذیت ناک اور رُوح فرسا موت تھی۔ اس جرم کے خلاف کارروائی کے لیے پوپ نے ایک مستقل ادارہ قائم کیا، جسے ''محکمہ تفتیش'' (Inquisition) کہا جاتا تھا۔ اس محکمہ کے شکنجے میں آنے والا ہر شخص نہ صرف قانونی طور پر بلکہ جسمانی اور ذہنی طور پر بھی شدید اذیتوں کا شکار ہوتا۔ گرفتار افراد کو اکثر قید و بند کی اذیت، فاقہ کشی اور جسمانی شکنجوں میں مبتلا کیا جاتا، حتیٰ کہ بعض اوقات انہیں جرم کا اعتراف کرنے سے قبل ہی ہلاک کر دیا جاتا۔

تاریخی دستاویزات اور اعداد و شمار کے مطابق پوپ کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف اس جبر و تشدد کے نتیجے میں تقریباً پچاس لاکھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ صرف اٹھارہ برس کے مختصر عرصے (1481 تا 1499) میں محکمۂ تفتیش کے احکامات کے تحت ہزاروں افراد کو زندہ جلایا گیا، سینکڑوں کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ اور لاکھوں افراد کو آہنی شکنجوں میں کس کر موت کے حوالے کیا گیا۔ اس ظالمانہ نظام نے نہ صرف عوام کی آزادی اور ذہنی خودمختاری کو دبا دیا بلکہ انسانی زندگی اور حقوق کو بھی مکمل طور پر پوپ اور کلیسا کے اختیار میں محدود کر دیا۔ عوام کے لئے خوف اور دہشت کا یہ ماحول اتنا شدید تھا کہ عام انسان کے لیے پوپ کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ یا عمل کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اس طرح پوپ کی مطلق العنان طاقت نے معاشرتی اور روحانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔

اگرچہ آج پاپائیت کی گرفت ماضی جیسی نہیں رہی، لیکن مذہبی استبداد اور اخلاقی استحصال کی صورتیں کسی نہ کسی شکل میں اب بھی باقی ہیں۔

یہی صورت حال ہندو سماج میں بھی نظر آتی ہے، جہاں مندروں کے پجاری اور مٹھوں کے سوامی نیم خدائی مقام رکھتے ہیں، عوام کی ایک بڑی تعداد یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ ان کی مرضی اور دعا کے بغیر نہ مصیبت ٹل سکتی ہے، نہ اولاد پیدا ہو سکتی ہے اور نہ دنیا کی دوسری ضروریات پوری ہو سکتی ہیں، اسی عقیدے کے سہارے مذہبی اور سماجی اقتدار کے غلط استعمال کے واقعات عام ہیں، جن میں اخلاق سوز حرکات، مالی استحصال، اور عوامی خدشات کا ناجائز فائدہ اٹھانا شامل ہے۔

المیہ یہ ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اسی طرزِ فکر کو اسلام پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ مفتیانِ کرام اور علمائے عظام کو ایسے دیکھتے ہیں گویا وہ شریعت سازی کے مجاز ہوں، ان کے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے کہ مفتی یا عالم کسی بھی اسلامی حکم کو اپنی مرضی کے مطابق حلال یا حرام، جائز یا ناجائز قرار دے سکتا ہے اور حسبِ خواہش یا حسبِ فرمائش اسلامی احکام میں ردّ و بدل کر سکتا ہے۔

یہ غلط فہمی اس وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے کہ تاریخ میں بعض ادوار میں مخصوص علماء اور سلاطین نے باہمی مفادات کے تحت دین کو اپنے سیاسی یا معاشرتی مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ اس سے عوام کے ذہن میں یہ تاثر پیدا ہو گیا کہ گویا علماء کو ایسا ہی اختیار

حاصل ہے جیسا عیسائیت میں پوپ کو تھا یا ہندو سماج میں پجاری اور سوامی کو ہے۔ نتیجتاً عوام اپنے مسائل کے حل کے لیے براہِ راست قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر فلاں مفتی یا عالم نے اجازت دے دی تو خدا کی طرف سے بھی وہی حکم نافذ ہو جائے گا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ (حکم دینا (قانون بنانا) اللہ کے سوا کسی کا حق نہیں ہے)۔

علماء کرام اور مفتیانِ عظام کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ قرآن وسنت، اجماع اور فقہی اصولوں کی روشنی میں شرعی احکام کو سمجھیں اور موجودہ حالات پر ان کا اطلاق کریں۔ ان کی رائے یا فتویٰ بذاتِ خود شریعت نہیں، بلکہ شریعت کے فہم کی ایک کوشش ہے، اگر وہ درست استدلال کریں تو ثواب کے مستحق ہیں، اور اگر غلطی کریں تو ان کا قول حجتِ قطعی نہیں رہتا، اسی لئے امت میں ہمیشہ مختلف آراء اور اجتہادات پائے گئے ہیں، لیکن کسی ایک عالم یا مفتی کو یہ مقام نہیں دیا گیا کہ وہ قطعی اور حرفِ آخر قرار پائے۔

اسلام کا اصل امتیاز یہ ہے کہ اس نے بندے اور رب کے درمیان کسی کو ثالثی (Clergy) مقرر نہیں کیا۔ مسلمان براہِ راست قرآن کی تلاوت کر سکتا ہے، دعا میں اللہ سے ہم کلام ہو سکتا ہے، اور شریعت کے بنیادی احکام کو بلا واسطہ سمجھ سکتا ہے۔

اسلام نے نہ کسی کو خدا اور بندے کے درمیان واسطہ بنایا ہے، نہ ہی کسی مخصوص مذہبی منصب، عالم یا روحانی پیشوا کو مطلق العنان حیثیت دی ہے۔ کوئی بڑا سے بڑا عالم، مفتی یا روحانی رہنما یہ اختیار نہیں رکھتا کہ مذہبی معاملات میں اپنی مرضی نافذ کرے یا اپنی منشاء کے مطابق اسلامی احکام میں ردّ و بدل کرے۔ علماء کا کردار صرف رہنمائی اور وضاحت ہے۔ نہ کہ تقدیس اور اقتدار۔ اگر یہ فرق مٹ جائے تو اسلام بھی پاپائیت یا ہندو پجاریانہ نظام کی طرح ایک جامد اور ظالمانہ ڈھانچہ میں بدل سکتا ہے، جو اسلام کی اصل روح کے خلاف ہے۔

اسلام میں گناہوں کے اعتراف یا روحانی رہنمائی کے لیے کسی پادری، بزرگ یا پیشوا کی چوکھٹ پر جانے کی ضرورت نہیں، ہر انسان کو براہِ راست اللہ سے رجوع کرنے اور اپنے اعمال کا حساب صرف اسی کے سامنے دینے کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَهُوَ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ" (اور وہ انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہے)۔

یہی وہ امتیاز ہے جو اسلام کو دیگر مذاہب اور نظاموں سے جدا کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کو براہِ راست اپنے خالق سے جوڑ کر اسے روحانی غلامی، پجاریانہ تسلط اور شخصیت پرستی کی زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ یہاں نہ کسی پوپ کا ڈنکا بجتا ہے، نہ کسی سوامی یا پجاری کا حکم چلتا ہے، اور نہ ہی کسی عالم یا رہنما کو مطلق العنانی روا ہوتی ہے۔ اسلام نے ہر فرد کو اس شعور اور ذمہ داری سے نوازا ہے کہ وہ براہِ راست اللہ کے حضور جواب دہ ہے، اور اس کا رشتہ اپنے رب سے کسی واسطہ یا ثالث کا محتاج نہیں۔

یہی براہِ راست تعلق انسان کو حقیقی آزادی، روحانی بالیدگی اور ایمانی وقار عطا کرتا ہے، اور یہی اسلام کی اصل روح اور اس کا سب سے بڑا آفاقی پیغام ہے۔

(بشکریہ تعمیر حیات اکتوبر ۲۰۲۵)

☆☆☆☆☆☆

اصلاح معاشرہ

ایک اہم سنگین معاشرتی برائی

منافقت اور اس سے ہماری رفاقت

مفتی رحمت اللہ ندوی
(استاذ حدیث وفقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

سماجی اور معاشرتی بہت سی برائیوں میں ایک قابلِ ذکر اوراہم سماجی برائی "منافقت" اور "منافقانہ روش" ہے، جو ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں نہ صرف داخل ہے بلکہ سماج کے وجود، اس کے ڈھانچہ، اور انسان کے بدن میں خون کی طرح گردش کررہا ہے۔

یہی نفاق ہے، جس نے نہ جانے کتنی حکومتوں کا چراغ گل کیا، کتنے خاندانوں کو برباد کیا، کتنے لوگوں کو معتوب یا مغضوب بنایا، کتنوں کو اقتدار اور منصب سے معزول کیا، اور کتنے ہی لوگوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، اس کی ایک مستقل داستان ہے۔

آج بھی ہر محاذ پر مسلمانوں کی ناکامی، ان کی صفوں میں بے اعتمادی اور عدم اتحاد واستحکام میں نفاق ہی کا بڑا اور اہم کردار ہے۔

یہ نفاق ہی ہے جو انسان سے جو چاہتا ہے کرالیتا ہے، اور مطلب نکالنے کے لئے ایمان، ضمیر اور انسانیت بیچنے پر آمادہ کردیتا، اور مطلب نکل جانے پر محسن کے خلاف ہی ریشہ دوانی، کردار کشی اور احسان فراموشی کرالیتا ہے۔

نفاق نام ہے: "إظهار الخير و ابطان الشر" کا۔ (خیر کا اظہار کرنا، اور شر چھپانا)۔

اس تعریف میں نفاق کی دونوں قسمیں: اعتقادی نفاق، (جس کو نفاق اکبر کہتے ہیں۔) اور عملی نفاق، (جو نفاق اصغر کہلاتا ہے) شامل ہیں۔

اعتقادی نفاق یہ ہے کہ ایمان ظاہر کرے اور کفر چھپائے۔

جب کہ عملی نفاق یہ ہے کہ دل میں ایمان باقی رکھتے ہوئے، حدیث شریف میں منافق کی بیان کردہ تمام صفات یا کوئی ایک صفت کو اپنائے اور اس سے متصف ہو۔

پہلی قسم کے منافق کو کافر قرار دیا جائے گا، جیسے دین کا مذاق اڑانا۔

جبکہ دوسری قسم کے نفاق سے ایمان گھٹتا ہے، جیسے جھوٹ، خیانت، غدر اور فجور۔

پہلی قسم کے منافق کے بارے میں ہی یہ سزا بیان کی گئی ہے: "إن المنافقين في الدرك الاسفل من النار"

(بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔) اللهم احفظنا من۔

منافق اپنے دل میں کفر چھپاتا اور زبان سے ایمان ظاہر کرتا ہے، اور اپنے عمل سے مسلمانوں میں فساد برپا کرنے اور پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، چونکہ یہ معاشرہ کے لیے بہت زیادہ نقصان دہ اور مہلک ہے اس لئے سورہ بقرہ کے آغاز ہی میں منافقین کے کرتوتوں کا پردہ فاش کردیا گیا ہے اور مستقل ایک

سورت ہی "المنافقون" کے نام سے نازل کردی گئی ہے، جب کہ بعض دیگر مقامات پر بھی ان کا تذکرہ آیا ہے۔

یہ منافق چونکہ نقلی مسلمان ہوتا ہے، اس لئے نقالوں سے ساودھان اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیں کہ اگر کسی نے سونے چاندی کی دوکان کھولی، اور اس کے پڑوس میں کوئی خنزیر کی دوکان کھول لے، اور تیسرا نقلی سونے چاندی کی دوکان قائم کرلے، تو اصلی سونار کے لیے خنزیر کی دوکان کرنے والے سے زیادہ نقصان دہ نقلی سونار ہوگا۔

بالکل یہی مثال ہے کہ کھلے ہوئے کفر وشرک والے کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے یہ "چھپا رستم" زیادہ نقصان دہ اور خطرناک ہے۔

منافق دوغلا ہوتا ہے، اس لئے قرآن وحدیث میں منافق کے کردار اور نفاق کی صفات کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ حقیقی مؤمن اس سے بچ سکے۔

چنانچہ عملی منافق کی علامات مختلف حدیثوں میں کئی ذکر کی گئی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے:

آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، و إذا وعد اخلف، و إذا اؤتمن خان" (منافق کی تین نشانیاں ہیں:

جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔)

ایک حدیث میں چوتھی صفت: " وإذا خاصم فجر" (اور جب لڑائی کرے تو گالی گلوج کرے۔) بیان کی گئی ہے، اور یہ کہا گیا ہے کہ جس میں یہ چاروں خصلتیں ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا، اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہوگی، اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے۔

ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے، اپنا جائزہ لے، اور محاسبہ کرے کہ وہ نفاق میں کتنا مبتلا ہے، اور اسے نفاق کو دور کرنے کی کتنی شدید ضرورت ہے۔؟

آج کل تو نفاق کا یہ عالم ہے کہ جو شخص سامنے تعریف کے پل باندھ رہا ہوتا ہے وہ ممدوح کے جانے اور پیٹھ پھیرنے کے فوراً بعد اس کی برائیاں بیان کرنے لگتا ہے، اس سے بڑھ کر دوغلا پن یا دہرا رویہ کیا ہوسکتا ہے؟ اسی کا اثر ہے کسی کو کسی پر بھروسہ اور اعتماد نہیں رہا، اور مخلص وغیر مخلص کی شناخت مشکل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی زندگیوں اور ہمارے معاشرہ کو نفاق جیسی بدترین گندگی سے پاک کرے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی مومنانہ صفات وکردار کو اختیار کرنے کی توفیق دے۔

☆☆☆☆☆☆

چہروں پہ مسکراہٹ، دل میں دھواں لیے
ہر شخص پھر رہا ہے کئی چہرے لیے
لب پر وفا کے قصے، دل میں عداوتیں
رشتوں کو کھوکھلا کریں جھوٹی محبتیں
حق کی صدا دبائے مفاد کی آرزو
ضمیر بیچ کر بھی نہ مل سکی آبرو
اخلاص ہی ہے روشنی، سچائی ہی چراغ
ان سے ہی زندہ رہتا ہے انسان کا وقار
آؤ عہد آج پھر یہ کریں سب مل کے ہم
نفرت، ریا، نفاق سے دور رہیں گے ہم
----ماخوذ

☆☆☆☆☆☆

موازنہ

طب نبوی اور جدید سائنس

ڈاکٹر عبید الرحمن ندوی
(استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اللہ تعالی نے انسان کو بہت ہی خوبصورت طریقے سے قرآن کی زبان میں ”فی أحسن تقویم“ پیدا کیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ”اللہ نے آدم کو اپنی صورت اور اپنی ہیئت میں پیدا کیا“ اور انہیں علم، عقل و دانش جیسی دولت سے بھی سرفراز فرمایا اور بعد میں انہیں مسجود ملائکہ بھی بنایا۔ اللہ نے آدم اور ان کی اولاد کو اس دنیا میں خلیفہ بنایا اور بار امانت بھی اللہ نے ان کے کاندھوں پر ڈالی۔ اس طرح آدم اور ان کی اولاد حاملین امانت ٹھہرے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے حفظان صحت پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ قرآن کریم کی سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۳۱ میں پوری طبی دواؤں کا گویا مختصراً تذکرہ آ گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ”اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو اور کھاؤ پیو لیکن اسراف سے کام نہ لو بے شک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں فرماتا“ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ پیٹ تمام بیماریوں کی جڑ ہے اس لیے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرو۔ ایک میں کھانا ایک میں پینا اور ایک حصہ خالی رکھو۔ اور دور جدید کی سائنس بھی یہی کہتی ہے۔ حکماء کا قول ہے: ”البطن أم الأمراض“۔ (پیٹ تمام بیماریوں کی جڑ ہے)۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ جسم کو درست رکھنے اور ہر بیماری سے بچنے کے لئے پیٹ کو درست رکھنا اور غذا کا صحیح استعمال کرنا ضروری ہے۔ اس عالم بشری کو آباد رکھنے کے لئے اور اس کو محنت و سرگرمیوں کے ساتھ انسانوں کی عارضی آماج گاہ بنانے کی غرض سے جسمانی صحت وقوت کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے اندر آزمائشوں کا نظام قائم فرمایا، اور نیک و بد کی تمیز اور صحت مند و بیمار کو جانچنے اور اس کی اصلاح وصلاح کے لئے اسباب و وسائل کے استعمال کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ صحیح حدیثوں میں بیماریوں کے علاج و معالجہ کا حکم موجود ہے۔ جس طرح بھوک و پیاس مٹانے کے لئے غذا اور پانی استعمال کرتے ہیں، بعینہ اسی طرح بیماریوں کے علاج کے لئے دواؤں کے استعمال کا حکم ہے، اور اسباب سے استفادہ کرنا توکل کے منافی کسی حال میں بھی نہیں ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”لکل داء دواء الا الموت، فلیس له دواء“ اور بعض روایات میں ہے کہ ہر مرض کا علاج ہے سوائے بڑھاپے کے، یعنی جس طرح موت کو کسی دوا اور علاج سے ٹالنا ناممکن ہے، اسی طرح بڑھاپے کو جوانی میں تبدیل کرنا ایک محال امر ہے“۔ (طب نبوی کی دوائیں ایک سائنٹفک جائزہ از حکیم سید محمد حسان نگرامی، ص ۵)

قرآن حکیم میں طب اور حفظان صحت کے متعلق بڑے کارآمد اصول بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً شہد کو نافع اور شراب، خون، مردار اور لحم خنزیر کو حرام کہا گیا ہے۔ ”کُلُوا مِنْ طَیِّبَاتِ“ میں جہاں اچھی غذا کھانے کا حکم ہے وہیں ”کُلُوْا

وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا" فرما کر کھانے میں اعتدال برتنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ غسل، وضو اور بیمار کے لیے تیمم حفظان صحت کے بنیادی اصول ہیں۔ روزہ فرض کیا گیا ہے جو انسان کی صحت کے لیے کارآمد ہے۔ احادیث نبوی میں طب کے موضوع پر قابل قدر سرمایہ موجود ہے۔ حدیث کی مستند اور معتبر کتابوں میں کتاب الطب کے عنوان سے ابواب قائم ہیں۔ چنانچہ علمائے اسلام نے الطب النبوی کے موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام ابن قیم نے اپنی مشہور تالیف "زادالمعاد" میں طب نبوی کے موضوع پر شاندار ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اس میں کم وبیش انہیں دواؤں کا بیان ہے۔ عہد رسالت میں حارث بن کلدہ عربوں کے مشہور طبیب تھے۔ انہوں نے طب کا علم جندی شاپور میں حاصل کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ بیماروں سے فرمایا کرتے تھے کہ حارث سے علاج کراؤ۔ ایک مرتبہ حضرت سعد بن وقاص بیمار ہوئے تو آپ نے حارث کو طلب فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ صحابہ کو بیماری کے علاج کی تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے "ما أنزل الله داءالا أنزل له شفاء"۔ (اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی جس کی شفا نہ ہو)۔ یہ ارشاد گرامی اطبائے اسلام کے لیے ہمیشہ مشعل راہ بنا رہا ہے۔ (قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، از ڈاکٹر غلام قادر لون، ص ۲۶۵)

بلا شبہ اس دنیا میں جہاں ہر طرف بیماریوں کا سیلاب ہے اور لوگ روز بروز نئی نئی بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں ان میں دل کے مریض بھی بہت ہوتے ہیں گویا امراض قلب ہمارے زمانے کی سب سے بڑی عالمی وبا ہے، جس نے اکیسویں صدی کی کثیر آبادی کو اپنے نرغے میں لے کر نہ صرف معذور بنا رکھا ہے، بلکہ اس نے موت سے ہم کنار کر دیا ہے۔ دنیا میں ہر جگہ لوگ اس کی وجہ سے لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ ان مرنے والوں میں اکثریت ۵۰ سال سے کم عمر کی ہوتی ہے۔ ترقی پذیر مشرقی ممالک میں دل کی بیماریوں نے بلا کی طرح لوگوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، جن میں اکثر لوگ ۳۵ سال سے ۴۵ سال کے اندر ہوتے ہیں۔ اور بعض اس سے بھی کم ہوتے ہیں۔ پاکستان، ہندوستان، ملیشیا، بنگلہ دیش، سری لنکا سب اس کے دام عذاب میں مبتلا ہیں۔ مشرق اس لحاظ سے سخت مشکل بلکہ مصیبت میں پھنسا ہوا ہے کہ یہاں نئے اور پرانے دونوں طرح کے امراض کی یلغار ہے۔ مغرب نے جن امراض کو علم وعقل کے زور پر قابو میں کر لیا ہے، ان کی ابھی تک ہمارے ہاں بہتات ہے۔ اور جو امراض آج کل مغرب کو نرغے میں لیے ہوئے ہیں وہ بھی مشرق میں روز افزوں بڑھتے چلے آرہے ہیں۔ اس طرح ہماری قندیل دونوں سروں سے جل رہی ہے۔ (امراض قلب طب نبوی اور جدید سائنس از حکیم محمد ادریس لدھیانوی، ص ۱۱)

آج شاید ہی کوئی اسپتال ہو جس میں امراض قلب سے متعلق شعبہ نہ ہو، شاید ہی کوئی کلینک یا مطب ہو جہاں امراض قلب کے مریض اپنے دکھوں کے مداوا کیلئے نہ آتے ہوں، آج ہر طرف دل کا دورہ اور اس کے امراض کے مہلک حملوں کا ذکر ہوتا ہے۔ آئے دن ہم سنتے ہیں کہ فلاں صاحب کا انتقال ہو گیا۔ سننے والا فوراً کہتا ہے وہ تو اچھے بھلے تھے مجھے کل بازار میں خریداری کرتے ملے ہیں۔ تو جواب یہی ہوتا ہے کہ انہیں دل کا دورہ پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس خطرناک مرض کا تذکرہ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

زبانی بھی ملتا ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف میں ہے۔ ترجمہ: ''حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرض میں گرفتار ہو گیا، میرے پاس پیغمبر خدا تشریف لائے۔ آپ نے دست مبارک میرے سینے پر دونوں چھاتیوں کے درمیان رکھا مجھے آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، آپ نے فرمایا تم دل کے مریض ہو، اس لیے حارث بن کلدہ ثقفی سے رجوع کرو کہ وہ ایک ماہر طبیب ہے۔ ویسے سات عجوہ کھجوریں مدینہ کی لے لو اور ان کو گٹھلی سمیت استعمال کرو''۔

اگر ہم تاریخ طب کا مطالعہ کریں تو یہ بات ہمیں معلوم ہوتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہلے طبیب ہیں جنہوں نے دل کی تکلیف کا علاج تجویز فرمایا۔ گو معروف طبیب بقراط کو یہ علم تھا کہ انسان کو دل میں تکلیف ہو سکتی ہے لیکن اس نے کوئی علاج تجویز نہیں کیا باقی دنیا کی طبی تاریخ میں ہمیں حضرت محمد ﷺ سے قبل کوئی ایسا شخص یا طبیب نہیں ملتا جس نے اس مہلک مرض کی ہلاکت خیزی کو محسوس کیا ہو اور اس کا کوئی علاج بھی تجویز کیا ہو۔ جس طرح اوپر حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت محمد ﷺ نے اپنے معروف جاں نثار صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو دل کی تکلیف میں علاج تجویز فرما کر طبی دنیا میں بے مثال کارنامہ سر انجام دیا۔ اور پھر وہ علاج بھی اتنا کامیاب رہا کہ آج ۲۱ ویں صدی میں جدید سائنس کی ترقی کے باوجود دل کے مریض وہ راحت وسکون حاصل نہیں کر سکتے جو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد ﷺ کے علاج کے بعد پایا حالانکہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس علاج سے قبل ایک سخت قسم کی بے جان کر دینے والی تکلیف میں مبتلا تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کی چھاتی میں شدید درد تھا انہیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کے سینے میں کوئی آگ کی سل رکھ دی گئی ہے۔ وہ پسینہ سے شرابور ہو جاتے اور سانس لینے میں تکلیف محسوس کرتے لیکن حضرت محمد ﷺ کے علاج کے بعد آپ اچھے بھلے ہو گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ پہلے طبیب تھے کہ جنہوں نے مریض دل کی مشکل کو اپنی خداداد صلاحیت کے سبب حل کر دیا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دل کے مرض کو بہت اہمیت دی ہے اور دل کی صحت کو قائم رکھنے کے لیے سدا بہار صحت بخش اصول وضع فرمائے اور دل کی کارکردگی کو قائم رکھنے کیلئے خوراک میں ایسے عناصر کی نشاندہی فرمائی ہے جس کے استعمال سے دل صحت منداور توانا رہتا ہے اور بعض ادویات کی طرف بھی رہنمائی فرمائی جن کی افادیت کو آج کل میڈیکل سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔ (ایضاً ص ۳۶)

نشہ آور چیزوں سے حضور نے ساڑھے چودہ سو سال قبل ہی منع فرما دیا تھا۔ آج میڈیکل سائنس بھی نشہ سے پرہیز کرنے پر زور دے رہی ہے اور اسلام تو وہ مذہب ہے جس نے انسان کی جسمانی اور روحانی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے کھانے پینے کی چیزوں کی اجازت دی ہے۔

اسلام میں ہر طرح کا نشہ حرام ہے اس لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ آج جدید طب اور میڈیکل سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ حملہ قلب کا ایک اہم سبب نشہ ہے خواہ وہ کسی طرح کا ہی نشہ ہو۔ آج ہمارے معاشرے میں کئی طرح کے نشے موجود ہیں جو امراض قلب

کے لئے مہلک ہیں جن میں سب سے عام نشہ تمبا کو وغیرہ ہے۔ لہذا قرآن کریم میں اس سے بچنے کی تلقین ہے اور دوسری مفید غذاؤں کے استعمال کا ذکر ہے مثلا سبزیوں کا ذکر قرآن حکیم میں سورۃ بقرہ آیت ۶۱ میں اس طرح آیا ہے۔ترجمہ: ''بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اصرار کیا اور کہا کہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے وہ چیزیں نکالے جو زمین سے اگتی ہیں جیسے سبزیاں، ککڑیاں، گندم مسور یا پیاز)۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے دسترخوان کو سبز چیزوں سے زینت دیا کرو اس لئے کہ سبز چیز اللہ کے نام کی برکت سے شیطان کو دور رکھتی ہے۔(جامع کبیر) سبز چیزوں سے صحت بخش تمام سبزیاں مراد ہیں۔قربان جائیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آج جدید میڈیکل سائنس کہہ رہی ہے کہ اگر دل کی بیماریوں سے بچنا ہے تو سبزیاں اپنی خوراک میں شامل کریں۔ ہمارے نبیؐ نے کئی سو سال پہلے سبزیوں کی افادیت پر مہر شفا ثبت کر دی تھی۔

گویا حضورؐ نے ہر بیماری کا علاج بتایا ہے۔ جو چیزیں انسانی جسم کے اعتبار سے مضر ہیں ان سے منع فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں بسنے والوں کو ہر طرح کی تعلیم دی ہے ہر چیز سکھلائی ہے۔ جب ہم ماضی میں پلٹ کر انبیاء کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انبیاء لوگوں کے لیے ہر طرح سے رہنما بن کر مبعوث ہوئے ہیں اسی لئے ''انسان'' جب زمین پر آباد کیا گیا تو اسے وہاں پر رہنے کا سلیقہ سکھانے اور سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ سکھانے کے لیے تاریخ کے ہر دور میں رسول آئے۔ یہ لوگوں کو اچھی زندگی گزارنے کا اسلوب سکھاتے تھے جن میں سے ایک صحت مند رہنا بھی رہا ہے۔تندرستی کو قائم رکھنے اور کھوئی ہوئی صحت کو واپس لانے کی ذمہ داری، ایک روحانی علم سمجھا جاتا رہا ہے اور تاریخ کے ہر دور اور ہر مذہب میں علاج کرنے والے مذہبی پیشوا نظر آتے ہیں۔مصر قدیم میں معبدوں کے پروہت علاج کرتے تھے۔شاستروں کے مطابق علاج کا علم برہما کو تھا۔ اس نے انسانوں کے فائدے کے لیے بھاردواج اور اس کے بعد اسنی کمار کو ایک لاکھ اشلوک یاد کروا دیئے تا کہ وہ لوگوں کا بھلا کر سکیں۔حضرت داؤد علیہ السلام علم الادویہ کے بانی تھے۔کیونکہ جب وہ چلتے تھے تو ہر درخت اور ہر پتھر ان سے مخاطب ہو کر اپنا نام اور فائدہ بتاتا تھا۔ وہ ان کو لکھ لیا کرتے تھے اور اس طرح علم الادویہ پر پہلی کتاب معرض وجود میں آئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو فوراً اس کے سامنے خوش کن باتیں کرو یہ مریض کو اچھی لگیں گی۔حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا ہاتھ پر رکھ کر اس سے اس کا حال پوچھو اور پورا اسلام کرنا یہ ہے کہ سلام کے بعد تم مصافحہ بھی کرو۔(سند احمد، ترمذی)

آنحضرت صلی علیہ وسلم کا یہ نظریہ آج جدید سائنس بھی تسلیم کر رہی ہے۔حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔''معدہ کی مثال ایک حوض کی طرح ہے، جس میں سے نالیاں چاروں طرف جاتی ہوں اگر معدہ

تندرست ہوتو رگیں تندرستی سے لے کر جاتی اور اگر معدہ خراب ہوتو بیماری لے کر جاتی ہیں''۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے پہلے طبیب ہیں جنہوں نے دل کے دورہ کی نہ صرف کہ تشخیص کی بلکہ علاج بھی کیا جبکہ ایسا مؤثر علاج آج بھی ممکن نہیں۔انہوں نے آلات تناسل کے سرطان سے بچاؤ کے لئے ختنہ جاری کیا۔دل اور گردوں سے پیدا ہونے والی سارے جسم کی سوجن کا علاج کیا۔ بواسیر کا ادویہ سے علاج کیا۔ پیٹ سے پانی نکالنے کا آپریشن ایجاد کیا۔ دنیائے طب کو اثمد سے لے کر ورس تک چالیس ایسی ادویہ مرحمت فرمائیں جن کے ذیلی اثرات نہیں۔ جس نے ان سے طب کا علم سیکھ لیا اس کو کسی بھی علاج میں کبھی ناکامی نہ ہوگی''۔(طب نبوی اور جدید سائنس از ڈاکٹر خالد غزنوی)

الغرض آج بھی اگر طب نبوی اور جدید سائنس کا موازنہ کریں تو بہت سی چیزوں میں طب نبوی کو فائق اور مقدم پائیں گے اور بہت سی چیزوں میں دونوں میں مماثلت بھی پائیں گے۔ خاص طور سے رسول اکرم صلی علیہ وسلم نے جو بات پیٹ کے متعلق فرمائی کہ پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرو یعنی ایک حصہ میں کھانا، ایک حصہ میں پینا اور ایک حصہ کو خالی رکھو اور اسی طرح پیٹ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بیماریوں کی جڑ قرار دیا ہے۔آج کی جدید سائنسی تحقیقات اور انکشافات بھی یہی کہتی ہیں۔اسی طرح امراض قلب کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخہ تجویز فرمایا ہے اور جن چیزوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اس کو اگر اپنایا جائے تو بڑی حد تک اس بیماری پر بھی قابو پایا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۳۳ کا﴾۔۔۔۔۔

✓ اسکولوں کے اندر بچوں کے موبائل فون اور اس سے جڑی ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز کے لانے اور استعمال پر مکمل پابندی لگائی جائے۔ یہ صرف راقم کی تجویز نہیں ہے بلکہ یہ تجویز اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، علمی و ثقافتی تنظیم یونیسکو کی جانب سے گلوبل ایجوکیشن مانیٹرنگ رپورٹ ۲۰۲۳ میں دی گئی ہے اور اس پر کئی ترقی یافتہ ممالک نے عمل بھی کیا ہے اور ان ممالک میں اسکولوں میں بچوں کے موبائل فون لانے پر پابندی ہے۔ ان ممالک میں برطانیہ، آئرلینڈ، اسپین، بیلجیم اور دیگر کئی ممالک شامل ہیں۔

✓ بچوں اور نوجوانوں کے سوشل میڈیا کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کی جائے اور اس کے لیے مناسب قانون سازی کی جائے۔آسٹریلیا کی ہی مثال دیکھ لی جائے کہ وہاں پر سولہ سال سے کم عمر بچوں پر سوشل میڈیا کے استعمال پر مکمل پابندی عائد کردی گئی ہے۔

✓ پرائمری و سیکنڈری اسکولوں میں بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے انہیں جدید ٹیکنالوجیز سے دور رکھا جائے۔اس کے لیے امریکہ، برطانیہ، فرانس، اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں جو قانون سازی اور پالیساں نافذ کی گئی ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی
گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی
۔۔۔محمد قدرت اللہ شوق

☆☆☆☆☆☆

تجزیہ

مشرقِ وسطیٰ

ایک تاریخی اور سیاسی مطالعہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

تمہید

مشرقِ وسطیٰ (Middle East) دنیا کا ایک اہم خطہ ہے جو ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع ہے۔ اس خطے میں سعودی عرب، ایران، عراق، شام، لبنان، اردن، فلسطین، اسرائیل، مصر، ترکی، یمن، عمان، قطر، بحرین، متحدہ عرب امارات اور کویت جیسے ممالک شامل ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ اپنی جغرافیائی اہمیت، تیل و گیس کے وسیع ذخائر، مذہبی تقدس اور سیاسی کشمکش کے باعث عالمی سیاست کا مرکز رہا ہے۔

تاریخی پس منظر

قدیم تہذیبوں کا مرکز مشرقِ وسطیٰ انسانی تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع میسوپوٹیمیا میں سومیری، اکادی، بابلی اور آشوری تہذیبیں پروان چڑھیں۔ مصر کی قدیم تہذیب بھی اسی خطے کا حصہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ خطہ زراعت، تحریر، قانون اور شہری زندگی کے اولین مراکز میں شمار ہوتا ہے۔

اسلامی دور

ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کے ظہور کے بعد مشرقِ وسطیٰ سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے مزید اہم ہو گیا۔ خلافتِ راشدہ، اموی، عباسی اور بعد ازاں عثمانی سلطنت نے اس خطے کو عالمی سیاست کا مرکز بنا دیا۔ بغداد، دمشق اور قاہرہ علم، فلسفے، سائنس اور تجارت کے نمایاں مراکز بنے۔

عثمانی سلطنت کا زوال

پہلی جنگِ عظیم (1914-1918) کے بعد عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ برطانیہ اور فرانس نے خفیہ سائیکس-پیکو معاہدے کے تحت مشرقِ وسطیٰ کے مختلف علاقوں کو اپنے زیرِ اثر تقسیم کر لیا۔ اسی دور میں جدید قومی ریاستوں کی بنیاد رکھی گئی، جس کے نتیجے میں کئی سرحدی اور نسلی تنازعات نے جنم لیا۔

سیاسی ارتقا اور جدید ریاستیں

دوسری جنگِ عظیم کے بعد مشرقِ وسطیٰ کے بیشتر ممالک نے آزادی حاصل کی۔ تاہم نوآبادیاتی دور کی بنائی گئی سرحدوں، نسلی اختلافات اور بیرونی مداخلتوں نے سیاسی عدم استحکام کو برقرار رکھا۔

عرب قوم پرستی

1950 اور 1960 کی دہائیوں میں عرب قوم پرستی کا رجحان ابھرا، جس کی قیادت مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے کی۔ اس تحریک کا مقصد عرب دنیا کا اتحاد اور مغربی اثر و رسوخ کا خاتمہ تھا، لیکن داخلی اختلافات اور علاقائی مفادات کے باعث یہ تحریک مکمل کامیابی حاصل نہ کر سکی۔

بادشاہتیں اور جمہوریتیں

مشرقِ وسطیٰ میں مختلف طرزِ حکومت پائے جاتے ہیں: سعودی عرب، اردن، قطر اور مراکش میں بادشاہتیں قائم ہیں۔

ایران ایک اسلامی جمہوریہ ہے۔
ترکی ایک صدارتی جمہوریہ ہے۔
لبنان پارلیمانی نظام رکھتا ہے۔
بعض ممالک میں فوجی یا نیم آمرانہ حکومتوں کا اثر بھی دیکھا جاتا ہے۔

تیل اور عالمی سیاست

بیسویں صدی کے وسط میں تیل کی دریافت نے مشرقِ وسطیٰ کی عالمی اہمیت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ سعودی عرب، عراق، ایران، کویت اور متحدہ عرب امارات دنیا کے بڑے تیل پیدا کرنے والے ممالک میں شامل ہیں۔
تیل کی دولت نے: معاشی ترقی کو فروغ دیا۔
عالمی طاقتوں کی دلچسپی میں اضافہ کیا۔
خطے میں جغرافیائی سیاسی مقابلے کو تیز کیا۔
امریکہ، روس، چین اور یورپی ممالک اپنی توانائی کی ضروریات اور اسٹریٹجک مفادات کے باعث مشرقِ وسطیٰ میں فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔

فلسطین اور اسرائیل کا تنازع

1948 میں اسرائیل کے قیام کے بعد عرب اسرائیل تنازع شروع ہوا جو آج بھی مشرقِ وسطیٰ کا سب سے اہم سیاسی مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔

اہم نکات:

فلسطینی ریاست کے قیام کا مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے۔
غزہ اور مغربی کنارہ تنازع کے مرکزی علاقے ہیں۔
متعدد جنگیں اور امن مذاکرات ہو چکے ہیں۔
اس تنازع نے عرب دنیا، مغربی ممالک اور بین الاقوامی اداروں کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔

ایران اور سعودی عرب کی رقابت

مشرقِ وسطیٰ کی سیاست میں ایران اور سعودی عرب کی رقابت اہم حیثیت رکھتی ہے۔ اس رقابت کے عوامل میں شامل ہیں:
مذہبی اختلافات (شیعہ اور سنی قیادت)
علاقائی اثر و رسوخ کی جدوجہد
یمن، شام، لبنان اور عراق میں مختلف سیاسی گروہوں کی حمایت۔
اگرچہ حالیہ برسوں میں دونوں ممالک کے تعلقات میں کچھ بہتری آئی ہے، لیکن ان کی مسابقت خطے کی سیاست پر مسلسل اثر انداز ہے۔

عرب بہار

2010 میں تیونس سے شروع ہونے والی عوامی تحریک، جسے "عرب بہار" کہا جاتا ہے، پورے مشرقِ وسطیٰ میں پھیل گئی۔ اس تحریک کے اثرات: تیونس میں حکومت کی تبدیلی، مصر میں حسنی مبارک کا اقتدار ختم ہونا، لیبیا میں خانہ جنگی، شام میں طویل خانہ جنگی، یمن میں سیاسی بحران۔
عرب بہار نے عوامی حقوق، جمہوریت اور حکمرانی کے سوالات کو نمایاں کیا، لیکن کئی ممالک میں عدم استحکام بھی بڑھ گیا۔

شام، عراق اور دہشت گردی

اکیسویں صدی میں شام اور عراق دہشت گرد تنظیم داعش (ISIS) کے ابھرنے کی وجہ سے عالمی توجہ کا مرکز بنے۔ داعش نے وسیع علاقوں پر قبضہ کیا، لیکن بین الاقوامی اتحاد اور مقامی افواج کی کارروائیوں کے نتیجے میں اس کی علاقائی قوت کو بڑی حد تک ختم کر دیا گیا۔
اس بحران کے نتیجے میں: لاکھوں افراد بے گھر ہوئے۔

مہاجرین کا بحران پیدا ہوا، علاقائی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہوئے۔

ترکی کا کردار

ترکی مشرقِ وسطیٰ اور یورپ کے درمیان ایک اہم پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالیہ دہائیوں میں ترکی نے: شام کے بحران میں فعال کردار ادا کیا، علاقائی سفارت کاری کو فروغ دیا، اقتصادی اور عسکری اثر ورسوخ میں اضافہ کیا، ترکی کی خارجہ پالیسی نے اسے خطے کی ایک اہم طاقت بنا دیا ہے۔

موجودہ چیلنجز

مشرقِ وسطیٰ آج متعدد چیلنجز کا سامنا کر رہا ہے:

1. سیاسی عدم استحکام
2. فرقہ وارانہ تنازعات
3. دہشت گردی اور انتہا پسندی
4. پانی اور خوراک کی قلت
5. نوجوان آبادی کے لیے روزگار کے مسائل
6. ماحولیاتی تبدیلیوں کے اثرات
7. بیرونی طاقتوں کی مداخلت

مستقبل کے امکانات

مشرقِ وسطیٰ کا مستقبل کئی عوامل پر منحصر ہے: علاقائی تعاون اور سفارت کاری، معاشی تنوع اور تیل پر انحصار میں کمی، تعلیمی اور تکنیکی ترقی، سیاسی اصلاحات۔

تنازعات کے پرامن حل

اگر خطے کے ممالک اقتصادی تعاون، سیاسی استحکام اور علاقائی مفاہمت کو فروغ دیں تو مشرقِ وسطیٰ عالمی معیشت اور سیاست میں مزید مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔

خلاصہ کلام

مشرقِ وسطیٰ انسانی تاریخ، مذہبی ورثے، قدرتی وسائل اور جغرافیائی اہمیت کے لحاظ سے دنیا کے اہم ترین خطوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی تاریخ عظیم تہذیبوں، سلطنتوں اور فکری ترقی سے عبارت ہے، جبکہ موجودہ سیاست تنازعات، طاقت کے توازن اور عالمی مفادات کے گرد گھومتی ہے۔ اس خطے کے مسائل پیچیدہ ضرور ہیں، لیکن امن، تعاون اور ترقی کی کوششیں مستقبل میں اسے زیادہ مستحکم اور خوشحال بنا سکتی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

﴿بقیہ صفحہ ۷ کا﴾۔۔۔۔۔انسانو! اس در کی دربانی اور اس چوکھٹ کی غلامی اختیار کر لو جس کی غلامی کے طوق گلے میں ڈالتے ہی آزادی کی اعلیٰ سے اعلیٰ رفعتیں تمھارا مقدر بن جائیں گی اور مایوسی کے سب دھندلکے چھٹ جائیں گے۔

انسانو! اس آبِ حیات کے قطرے منھ میں ڈال لو جس کو نوشِ جاں کرتے ہی تمہاری سب مشکلیں دور اور سارے غم کافور ہو جائیں گے۔

مان جاؤ کہ تمہارے مرض کی دوا یہی ہے، تمہارے درد کا درماں یہی۔ حرا سے ملنے والے اس نسخۂ شفا کو حرزِ جاں بنالو، تمہارے اجتماعی، قومی، معاشرتی، تہذیبی، تمدنی، سیاسی ہر طرح کے روگ ختم ہو جائیں گے اور سدا بہار جوانی اور صحت و کامرانی کا سراہا تھ آجائے گا۔

(بشکریہ تعمیر حیات ستمبر ۲۰۲۵)

☆☆☆☆☆☆

فکر و عمل

فکری پسماندگی اور سماجی زوال

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

ایک تلخ حقیقت: ہر معاشرہ کی پہچان اس کی فکری سمت، اخلاقی اقدار اور تعلیمی معیار سے ہوتی ہے۔ جب کسی قوم کے نوجوان علم، تحقیق، ہنر اور کردار سازی کے بجائے وقتی تفریح، جذباتی نعروں اور بے مقصد سرگرمیوں اور لایعنی بحثوں میں اپنی توانائیاں ضائع کرنے لگیں تو اس معاشرے کے زوال کا آغاز ہو جاتا ہے۔

آج مسلم معاشرے کی ایک بڑی حقیقت یہی ہے کہ ہم ظاہری شور، جذباتی وابستگیوں اور نمائشی سرگرمیوں میں تو بہت آگے ہیں لیکن علم، تحقیق، ٹیکنالوجی، معیشت اور اجتماعی نظم وضبط میں دنیا سے بہت پیچھے رہ چکے ہیں۔ ہمارے محلوں، گلیوں، ریسٹورینٹ اور ڈھابوں پر روزانہ ہونے والی لمبی بحثیں اس معاشرتی زوال کی واضح علامت اور بولتی تصویر ہیں۔ چائے کے ایک کپ پر گھنٹوں سیاست، عالمی حالات، کرکٹ میچز اور مذہبی اختلافات پر گفتگو ہوتی ہے، لیکن ان مباحث کا کوئی عملی نتیجہ سامنے نہیں آتا۔ یہ بحثیں وقتی جذبات تو پیدا کرتی ہیں مگر فرد کی شخصیت، کردار اور صلاحیت میں کوئی حقیقی اضافہ نہیں کرتیں۔ نوجوان نسل اپنی قیمتی توانائی کو ان غیر نتیجہ خیز مباحث میں ضائع کر رہی ہے جبکہ دوسری قوموں کے نوجوان لیبارٹریوں، لائبریریوں، تحقیقی مراکز اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اپنی مہارتیں بڑھا رہے ہیں۔ یہی فرق ترقی یافتہ اور پسماندہ معاشروں کے درمیان حد قائم کرتا ہے۔ معاشرتی پسماندگی صرف غربت یا وسائل کی کمی کا نام نہیں بلکہ سوچ کی محدودیت بھی اس کا ایک بڑا سبب ہوتی ہے۔

جب کسی قوم کے نوجوانوں کی ترجیحات بدل جائیں، جب ان کے خواب صرف مہنگی موٹر سائیکل، قیمتی موبائل فون، سوشل میڈیا یا شہرت یا وقتی تفریح تک محدود ہو جائیں تو اس قوم کا فکری معیار کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آج کا نوجوان اپنی اصل شناخت علم، کردار اور ہنر میں تلاش کرنے کے بجائے سوشل میڈیا کی نمائش، ریلز، فیشن اور وقتی مقبولیت میں تلاش کر رہا ہے۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ معاشرے نے بھی انہی چیزوں کو کامیابی کا معیار بنالیا ہے۔

آج کئی نوجوان گھنٹوں موبائل اسکرین پر وقت گزارتے ہیں لیکن کتاب کا مطالعہ انہیں بوجھ اور گراں گذرتا ہے۔ لائبریریاں سنسان ہوتی جارہی ہیں جبکہ کیفے، ڈھابے اور تفریحی مقامات آباد ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ شب زفاف منانے اور دماغی عیش پرستی کیلئے مہنگے ہوٹلوں میں قیام اور دور دراز ممالک کا سیر وسیاحت کیلئے سفر کرتے ہیں۔

جب مسلمانوں کے پاس کتاب تحقیق سائنس، طب اور ریاضی تھی تو وہ دنیا کے استاذ اور رہنما تھے، جب ہم نے علم سے منھ موڑ لیا، فرقہ واریت، تعصب اور تنگ نظری میں الجھ گئے تو ہم پر

زوال آیا، جب کسی قوم میں دیانت داری، محنت، وقت کی پابندی، ذمہ داری اور اجتماعی شعور کمزور پڑ جائیں تو ترقی کے دروازے بند ہونے لگتے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں اکثر نوجوان فوری کامیابی چاہتے ہیں مگر مسلسل محنت اور نظم وضبط سے گریز کرتے ہیں۔ ہم جذباتی تقاریر اور نعروں سے متاثر تو ہو جاتے ہیں لیکن عملی میدان میں محنت کرنے سے کتراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جذبات میں تو آگے ہیں مگر عملی ترقی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

ریسٹورینٹ، ڈھابوں، محلوں اور نکڑوں میں بیٹھ کر دوسروں پر تنقید کرنا تو آسان ہے، لیکن خود کو بدلنا مشکل محسوس ہوتا ہے۔ ہم حکومت، نظام، سیاستدانوں اور عالمی طاقتوں کو اپنی پسماندگی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، مگر خود احتسابی سے بچتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف اور اس کے تدارک کی فکر نہ اوڑھ لے۔ اگر نوجوان اپنا وقت فضول سرگرمیوں کے بجائے تعلیم، ہنر اور کاروبار پر صرف کریں تو معاشرہ بدل سکتا ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں ایک مسلم ملک کے سربراہ ملکہ برطانیہ اور اُن کے شوہر کو اپنے ملک کے ایک معروف اسکول لے گئے۔ بچّوں سے پوچھا گیا کہ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہو؟ کسی نے ڈاکٹر، کسی نے انجینئر، کسی نے پائلٹ بننے کی خواہش ظاہر کی مگر کسی نے یہ نہیں کہا کہ وہ ٹیچر بننا چاہتا ہے۔ یہ سن کر ملکہ کے شوہر نے کہا: "جس قوم میں کوئی بچہ استاد بننے کی خواہش نہ رکھے، اُسے اپنے مستقبل کی فکر کرنی چاہیے۔

اس لئے بھی نتیجہ یہ ہے کہ ایک ایسی نسل پروان چڑھ رہی ہے جس کے پاس جذبات تو بہت ہیں مگر سمت نہیں۔ معاشی پسماندگی بھی اسی فکری زوال کا نتیجہ ہے۔

اسی تناظر میں یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مسلمان خواہ کسی مسلم ملک میں ہوں یا غیر مسلم ملک میں، دونوں حالتوں میں انہیں ملک کے دستور اور قانون کا پابند رہنا چاہئے۔ دستور اور قانون کی خلاف ورزی کرنا یا اسلام کے نام پر غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہونا کسی بھی حال میں مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ قانون کی حد ہی ہمارے عمل کی حد بھی ہے۔ جہاں قانونی اجازت کی حد آجائے، اس کے بعد ہمارے لیے صبر ہے نہ کہ ٹکراؤ اور قانون شکنی۔ یہی طرزِ عمل اسلام کی حقیقی تعلیمات اور مسلمانوں کے وقار کے زیادہ قریب ہے۔

صلح باہمی، صبر، درگزر Adjustment تعلیمی میدان میں سرگرمی اور نمایاں مقام، پرسکون زندگی گذارنے کی بنیاد ہیں۔ جو لوگ برداشت، معافی اور نظر انداز کرنے کی عادت اپناتے ہیں وہی حقیقی سکون اور محبت حاصل کرتے ہیں۔ بعض اوقات خاموشی اور صبر ہی سب سے بڑی حکمت ہوتی ہے۔ دراصل خاموشی وہ ہنر ہے جو بیشمار لڑائیوں کو جنم لینے سے پہلے ہی ختم کر دیتی ہے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ نے اسی حقیقت کی طرف نہایت فکر انگیز انداز میں توجہ دلائی کہ "اگر قوم کو پنج وقتہ نمازی نہیں بلکہ سو فیصد تہجد گزار بنا دیا جائے لیکن اس کے اور ملک کے احوال سے ان کو واقف نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ اس ملک میں آئندہ تہجد تو درکنار پانچ وقت کی نمازوں پر بھی پابندی عائد ہو جائے" (کاروانِ زندگی) دراصل یہ قول اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ محض انفرادی عبادت کافی نہیں بلکہ قوموں کی بقا کے لیے شعور، حالاتِ زمانہ کی سمجھ، فکری بیداری اور اجتماعی ذمہ داری کا احساس بھی ضروری ہے۔ جب نوجوان دینی

وابستگی کے ساتھ علم، بصیرت اور سماجی شعور سے آراستہ ہوں گے تبھی وہ اپنے معاشرے کی صحیح رہنمائی کرسکیں گے۔

اسی حقیقت کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے نہایت حکیمانہ انداز میں یوں بیان فرمایا کہ: "حفاظتِ اسلام کے نعرے تو بہت بلند کیے جاتے ہیں مگر عملی پہلوؤں سے ہم خود گریزاں رہتے ہیں۔ اسلام کوئی مجسمہ نہیں جس کی حفاظت کے لیے لاؤلشکر کی ضرورت ہو۔

آپ اپنے اندر اسلام سمو لیجیے۔ آپ بھی محفوظ ہو جائیں گے اور اسلام بھی محفوظ ہو جائے گا"

قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سابق صدر مسلم پرنسل لاء بورڈ نے فرمایا تھا کہ جس راستہ پر چلنا چھوڑ دیا جاتا ہے اس راستہ کا نام ونشان مٹ جاتا ہے (اس پر خس وخاشاک یعنی گھاس پھونس جم جاتا ہے) ہم نے دین کے راستہ پر چلنا چھوڑ دیا اسی لئے دین ہماری زندگیوں سے مٹ رہا ہے اگر آج یہ امت دین کے راستہ کو پکڑ کر اس پر مضبوطی سے رواں دواں ہوجائے تو کوئی طاقت انہیں مٹا نہیں سکتی یہ ذمہ داری تو خود ہماری ہے کہ ہم دین کے مٹنے کی وجہ بنیں یا دین کے مضبوط قیام کی وجہ بنیں۔

جن قوموں نے تعلیم، ٹیکنالوجی اور ہنر کو اپنایا انہوں نے دنیا کی معیشت پر قبضہ کر لیا۔ جاپان، چین، جنوبی کوریا اور یورپی ممالک اس کی زندہ مثال ہیں۔ ان قوموں نے نظم وضبط، صداقت ومحنت اور اجتماعی شعور کو اپنایا جبکہ ہم اب بھی چھوٹے چھوٹے اختلافات، فرقہ واریت، نمائشی سیاست اور غیر ضروری بحثوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ ترقی صرف جذبات سے نہیں آتی۔ ترقی کے لیے مسلسل محنت، قربانی، نظم وضبط اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طالب علم اگر روزانہ چند گھنٹے مطالعہ کرے، اپنے کام میں مہارت پیدا کرے، اپنی زبان اور سوچ بہتر بنائے تو وہ نہ صرف اپنی زندگی بدل سکتا ہے بلکہ معاشرے کی ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر نوجوان سوشل میڈیا کے بے مقصد استعمال کو کم کر کے تعلیمی اور تخلیقی سرگرمیوں پر توجہ دیں تو ان کی شخصیت میں مثبت تبدیلی آسکتی ہے۔

معاشرے کی اصلاح کا آغاز فرد سے ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنے وقت کی قدر کرنا سیکھ لے، فضول مشاغل کو کم کرے اور اپنی صلاحیتوں کو بہتر بنانے پر توجہ دے تو پورا معاشرہ بدل سکتا ہے۔ ہمیں نوجوانوں کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ کامیابی شور مچانے، ہجوم کا حصہ بننے یا وقتی شہرت حاصل کرنے میں نہیں بلکہ کردار، علم اور عمل میں پوشیدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی اصل قدر اس کی ظاہری نمائش، دولت یا وقتی شہرت سے نہیں ہوتی بلکہ فکر اور معاشرے کے لیے اس کی مثبت خدمات سے جانی جاتی ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے "ایک شخص بن کر نہ جیو بلکہ ایک شخصیت بن کر جیو، کیونکہ شخص تو مر جاتا ہے اور شخصیت ہمیشہ زندہ رہتی ہے"

اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمان اس وقت دنیا کی قیادت کرتے تھے جب ان کے ہاتھ میں کتاب، تحقیق اور علم تھا۔ مسلمان سائنس، طب، فلسفہ، ریاضی اور فلکیات میں دنیا کے رہنما تھے۔ لیکن جب ہم نے علم سے دوری اختیار کی، فرقہ واریت اور جذباتی سیاست میں الجھ گئے تو ہمارا زوال شروع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سب سے پہلی وحی جو دین ودنیا کی صلاح وفلاح کیلئے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کی وہ "اقراء" ہے

یعنی تعلیم حاصل کیجئے، قرآن پاک میں تقریباً 80 مقامات پر تعلیم اور علم کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ جہالت ساری برائیوں کی جڑ اور پسماندگی کی بنیاد ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تاریخ سے سبق سیکھیں اور نئی نسل کو دوبارہ علم اور تحقیق کی طرف راغب کریں۔ آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نے وقتی لذتوں کو مستقبل کی کامیابی پر ترجیح دے دی ہے۔ نوجوان راتیں موبائل فون پر گزار دیتے ہیں مگر صبح جلد اٹھ کر مطالعہ کرنا مشکل محسوس کرتے ہیں۔

سرکردہ عالم دین حضرت مولانا محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم نے ایک قول کو نقل کرتے ہوئے فرمایا "جب اقوام عالم آدھا کام نپٹا لیتی ہے تب مسلمان اٹھتا ہے"

ماہرین صحت کہتے ہیں کہ "آج مغربی ملک کی قومیں کیوں صحت مند ہیں، اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو اپنی زندگی میں اپنایا ہے۔ جب تک آپ رات کے پہلے پہر یعنی عشاء کی نماز کے فوراً بعد نہیں سوئیں گے آپ کی نسلیں ختم ہوجائیں گی۔ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ ہماری باڈی کے اندر روزانہ خوراک اور دیگر کاموں کی وجہ سے ہزاروں زہریلے سیل بن جاتے ہیں اور ڈھائی لاکھ صحت مند سیل دن بھر کام کرنے کی وجہ سے ختم ہوجاتے ہیں اور وہ رات کو پہلے پہر بنتے ہیں۔ لیکن جب انسان پہلے پہر نہیں سوتا تو پھر وہ تیار نہیں ہوتے" سچ ہے صبح کا سونا دن بھر کے ارادوں کو مضمحل اور بے جان کر دیتا ہے۔

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ضروریات اور رزق کی تلاش کیلئے صبح جلدی اٹھا کرو کیونکہ صبح میں کامیابی اور برکت ہے۔ اس لئے صبح جلدی بیدار ہوکر اپنا کام شروع کردیں خواہ جسمانی ہو یا روحانی، علمی ہو یا تجارتی۔

ہم وقت کی قدر کھو چکے ہیں اس لئے وقت نے ہمیں ہزاروں میل پیچھے دھکیل دیا ہے، حالانکہ کامیاب قومیں ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھتی ہیں۔ اگر ہم واقعی اپنے معاشرے کو بدلنا چاہتے ہیں تو ہمیں چند بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔ سب سے پہلے مطالعے کی عادت کو فروغ دینا ہوگا۔ نوجوانوں کو کتابوں، تحقیق اور تخلیقی سرگرمیوں کی طرف لانا ہوگا۔ دوسرا، سوشل میڈیا اور غیر ضروری تفریح پر وقت ضائع کرنے کے بجائے ہنر اور تعلیم پر توجہ دینا ہوگی۔ تیسرا، ہمیں اخلاقی تربیت، نظم وضبط اور وقت کی پابندی کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔ چوتھا، ہمیں تنقید کے بجائے عملی کام کرنے کی عادت اپنانا ہوگی۔

آخر میں یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ کوئی بھی قوم صرف نعروں، جذباتی تقریروں، ٹکراوی مزاج یا ہجوم کے شور سے ترقی نہیں کرتی۔

ترقی ان قوموں کا مقدر بنتی ہے جو علم، اعلیٰ کردار، محنت، نظم وضبط، باہمی احترام اور آپسی بھائی چارے کو اپنی زندگی کا حصہ بناتی ہیں۔

ایک مضبوط اور خوشحال معاشرہ وہی ہوتا ہے جہاں محبت، رواداری، اتحاد اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھا جاتا ہو۔

اگر ہم نے اپنی ترجیحات تبدیل نہ کیں اور ہم نے اپنی نوجوان نسل کو فضول مشاغل، نمائشی ثقافت سے نہ نکالا، احکامات خداوندی کی اتباع اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنتوں کا پابند نہ بنایا تو ہمارا معاشرہ مزید پسماندگی کا شکار ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

تحقیق

اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے نقصانات

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

یونیورسٹی آف ٹورنٹو، کینیڈا کے الیکٹریکل انجینئرنگ کے پروفیسر جارج سینکلئیر George Sinclair اپنے ۱۹۸۰ کے مقالے میں لکھتے ہیں کہ شاید "ٹیکنالوجی" کی اتنی ہی تعریفیں ہوں کہ جتنے اس کے استعمال کرنے والے ہیں یعنی ٹیکنالوجی کی تعریف کا انحصار ٹیکنالوجی کے استعمال کرنے والے پر ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ "ٹیکنالوجی" کی تعریف کرنے کے لیے پروفیسر کارل مچیم Carl Mitcham کو پینسٹھ صفحات درکار ہوئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مورخین اور فلسفی جس طریقے سے ٹیکنالوجی کی تعریف پیش کرتے ہیں وہ اس ٹیکنالوجی کو ایجاد کرنے والے انجینئروں، سائنسدانوں اور محققین کے یہاں سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ ٹیکنالوجی کی فلسفیانہ، تاریخی اور عملی تعریف کے بحث میں پڑے بغیر ہم اپنے قارئین کے لیے ٹیکنالوجی کی آسان تعریف پیش کرتے ہیں۔ برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا کے مطابق "سائنسی علم کا انسانی زندگی کے عملی مقاصد کے لیے استعمال کو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے"۔ کیمبرج ڈکشنری کے مطابق "سائنسی علم کا کاروبار، صنعت یا مینوفیکچرنگ میں استعمال کو ٹیکنالوجی سے تعبیر کیا جاتا ہے" یا مزید آسان الفاظ میں "سائنسی دریافتوں کا عملی، خاص طور پر صنعتی استعمال کو ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے"۔

ٹیکنالوجی کے استعمال سے جہاں انسانیت نے بے تحاشہ فوائد اٹھائے ہیں مثلاً آمدورفت میں آسانی سے لے کر علاج معالجہ وغیرہ، وہیں ٹیکنالوجی کے استعمال میں جب اِفراط وتَفَرِیط کا رویہ برتا گیا تو اسی ٹیکنالوجی نے نسلیں تباہ کر دیں۔ ایک اہم بات کہ عمومی طور پر سائنسدان اور محققین اپنی سائنسی تحقیقات، ایجادات اور ٹیکنالوجیز انسانیت کے فائدے کے لیے پیش کر رہے ہوتے ہیں مگر اُن کی ایجادات اور سائنسی تحقیقات و ٹیکنالوجی کو بڑے بڑے سرمایہ دار اُچک لیتے ہیں اور اس ٹیکنالوجی سے پیسے بنانے لگ جاتے ہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو رہی کہ اس وقت عالمی سطح پر کون سے سائنسی تحقیقات ہونی چاہیے یا کون سی ٹیکنالوجی کے متعلق قوانین اور اس کو فروغ دینا چاہیے یا حکومتوں یا فنڈنگ ایجنسیز کو کس سائنسی شعبے میں زیادہ سرمایہ لگانا ہے، اس میں بھی دراصل عالمی معاشی سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والوں کا کافی کردار ہوتا ہے۔ گو کہ سائنسدانوں اور محققین کی ایک بڑی تعداد اپنی تحقیقات میں اخلاص سے لگی رہتی ہے مگر انہی تحقیقات کو زیادہ تر فروغ ملتا ہے جو کہ عالمی سرمایہ درانہ نظام کو تقویت دیتی ہیں، جن سے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والوں کے مفاد وابستہ ہوتے ہیں، جو ان کے نظریات کی تائید میں ہوتی ہیں اور ان کے ایجنڈے کو فروغ دیتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کو چلانے والے ہی دراصل پوری دنیا کی ٹیکنالوجی کو آگے فروغ دیتے ہیں اور پورے عالمی معاشی نظام کو اپنے قبضے میں لے کر "قدر" اور "اقدار" کی نئی تعریف بھی خود ہی

کرتے ہیں۔یعنی یہ جب چاہتے ہیں فرضی،تخیلاتی چیزوں کو قابلِ قدر بنا کر خرید وفروخت شروع کروادیتے ہیں،اور یہ جب چاہتے ہیں"اقدار" کی تعریف بھی متعین کردیتے ہیں کہ معاشرے میں موجود سب سے بری چیز بھی لوگوں کو معزز لگنا شروع ہوجاتی ہے۔ چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرکاری قانون، اخلاقیات اور مذہبی پابندیوں کو مدنظر نہیں رکھا جاتا اور اصل مقصد پیسہ کمانا ہی ہوتا ہے، لہذا اس کا عملی نتیجہ جو سامنے آتا ہے اس سے معاشرے میں صرف اور صرف معاشی ابتری اور اخلاقی گراوٹ ہی ہوتی ہے۔

قارئین! اب ہم انہیں ٹیکنالوجیز میں سے ایک ٹیکنالوجی کی شکل یعنی ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا ذکر کرتے ہیں۔ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی میں سوشل میڈیا،کمپیوٹر، اسمارٹ فون، اسمارٹ ٹی وی، آئن لائن گیمز وغیرہ آتے ہیں۔آن لائن اعداد وشمار جمع کرنے والی ویب سائٹ اسٹیٹ اسٹا Statista.com کے مطابق پوری دنیا میں صرف سوشل میڈیا کے استعمال کرنے والوں کی تعداد سوا پانچ ارب سے تجاوز کرچکی ہے۔ان میں فیس بک (میٹا)، یوٹیوب، انسٹاگرام، واٹس اپ، ٹک ٹاک، وی چیٹ، ٹیلی گرام، اسنیپ چیٹ، ٹیوٹر (ایکس) وغیرہ سب سے زیادہ استعمال ہونے والے پلیٹ فارمز اور ایپلیکیشنز ہیں۔سوشل میڈیا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے عمومی طور پر کمپیوٹر اور موبائل فون کو استعمال کیا جاتا ہے۔

جہاں تک موبائل فون کا تعلق ہے تو موبائل فون کی ایجاد نے جہاں آپس کے رابطے میں سہولت پیدا کی تھی وہیں ایمرجنسی کی صورت میں فوری رابطہ کرنے کے ذرائع بھی عوام کو میسر آئے۔مگر جوں جوں کمپیوٹر سائنس اور ٹیلی کمیونیکشن انجینئرنگ میں ترقی ہوئی، اس موبائل فون نے بھی ترقی کے مراحل طے کیے اور اب ہمارے سامنے موبائل فون کی جدید شکل اسمارٹ فون کی صورت میں موجود ہے۔لہذا عمومی طور پر جب ہم موبائل فون کہتے ہیں تو اس سے یہی اسمارٹ فون مراد ہوتا ہے، لہذا ہم اپنے اس مضمون میں موبائل فون اور اسمارٹ فون کو مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کریں گے۔ اس اسمارٹ فون کو اب بلا مبالغہ دسیوں قسم کے کاموں میں استعمال کیا جارہا ہے جن میں ای میل، فیکس، اسکیننگ سے لے کر گیمنگ، ٹریڈنگ، کیلکولیٹر، کیمرہ، اور ویڈیوز دیکھنے تک شامل ہیں۔اب سے بیس پچیس سال پہلے گھروں میں جو ٹی وی ہوا کرتا تھا اس میں وہی ٹی وی چینلز اور پروگرام دیکھے جاسکتے تھے جو کہ حکومتی اجازت سے ٹی وی چینلز نشر کرتے تھے۔ اگر کسی کو اپنی پسند کی فلم یا کوئی پروگرام دیکھنا ہوتا تو اس کے لیے وہ علیحدہ سے وی سی آر لے کر آتا اور پھر اس کے ذریعے سے اپنے من پسند پروگرامز کو دیکھتا۔اسمارٹ فون نے انسانوں کو ان مختلف الیکٹرانک آلات کی قید سے بھی نجات دے دی اور اب اسی اسمارٹ فون پر وہ جب چاہے، جہاں چاہے، اور جس طرح کے پروگرامز چاہے دیکھ سکتا ہے۔ نیز بڑی ٹیکنالوجی کمپنیوں نے جس طرح سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو فروغ دیا ہے اس کے نتیجے میں بچے اور نوجوان بے حیائی، عریانی، فحاشی، گیمنگ، چیٹنگ، جوا، سٹہ اور سود جیسی مخرب اخلاق اسکیموں کے عادی ہوچکے ہیں اور اخلاقی گراوٹ کی پستیوں میں گر چکے ہیں الا ماشاءاللہ۔

یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال سے دماغی صحت پر انتہائی بُرا اثر پڑتا ہے اور سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق بالخصوص بچوں اور نوجوانوں کے لیے تو اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا بہت نقصان دہ ہے۔اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے تباہ کن اثرات اب کسی سے مخفی نہیں۔انہی

تباہ کن اثرات کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے قوانین بننا شروع ہو چکے ہیں جن میں واضح طور پر موبائل فون اور سوشل میڈیا کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ میں ایک چھوٹے سے یورپی ملک آئرلینڈ کے مثال پیش کرنا چاہوں گا کہ جہاں پر پرائمری اسکولوں میں بچوں کے سوشل میڈیا کے استعمال اور موبائل فون لانے پر پابندی ہے اور اگر کوئی طالبِ علم موبائل فون اسکول لے کر آئے گا تو اسکول ٹیچر اس کا موبائل فون کو ضبط کر لیتے ہیں۔

آئرلینڈ کی وزارتِ تعلیم کی وزیر نورما فولے Norma Foley سیکنڈری اسکولوں میں بھی اسمارٹ فون لانے پر پابندی لگانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ:

''The Minister for Education is planning to ban mobile phones from all second-level schools in response to research which links use of devices to student distraction and cyberbullying.

While most second level schools either restrict the use of mobile phones or oblige students to place them in lockers, Norma Foley said she was convinced a wider ban was the best way forward".

"وزارتِ تعلیم کی وزیر موبائل فون کو تمام سیکنڈری اسکولوں میں لانے پر پابندی لگانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں اس تحقیق کے نتیجے میں جو کہ طالبعلموں کے آلات (موبائل فون) کے استعمال کرنے کو ان میں انتشار پیدا ہونے (یعنی ان کی توجہ تعلیمی کاموں سے ہٹنے) اور سائبر ہراسانی کا شکار ہونے سے جوڑتی ہے۔

جبکہ زیادہ تر سیکنڈری اسکول موبائل فون پر پابندی لگاتے ہیں یا طلباء کو موبائل فون لاکرز میں رکھنے پر مجبور کرتے ہیں، نورما فولے اس بات پر قائل ہیں کہ موبائل فون پر وسیع ترین پابندی ہی آگے بڑھنے کا بہترین طریقہ ہے"۔

قارئین دیکھیے کہ جس تحقیق کا آئرلینڈ کی وزارتِ تعلیم کی وزیر حوالہ دے رہی ہیں اس میں دو بنیادی وجوہات ذکر کی گئی ہیں، اول طلباء کا پڑھائی سے رجحان ہٹنا اور دوسرا سائبر ہراسانی۔ اقوامِ متحدہ کا فنڈ برائے اطفال یونیسیف کے مطابق سائبر بلیئنگ Cyberbullying یعنی سائبر ہراسانی کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز مثلاً انٹرنیٹ، سوشل میڈیا یا موبائل فون کا استعمال کرتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو ڈرائے، اُس کے متعلق جھوٹ بولے، اُسے دھمکائے، گالی گلوچ کرے، ہراساں کرے، اسے جان بوجھ کر تکلیف پہنچائے، جعلی اکاؤنٹ بنا کر غیر مناسب میسیجز دوسرے کو بھیجے، اور دوسرے شخص کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کرے۔ یہ دونوں ہی وجوہات ایسی ہیں جن سے بچوں اور طلباء کا مستقبل داؤ پر لگتا ہے اور وہ طرح طرح کے نفسیاتی، ذہنی، اور دیگر امراض کا شکار ہو رہے ہیں۔ ایک اور تحقیقی رپورٹ یہ بیان کرتی ہے کہ ان ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز، سوشل میڈیا، اور اسمارٹ فون کے استعمال سے ڈی ہیومنائزیشن Dehumanisation یعنی انسان میں سے انسانی صفات کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

مغربی ترقی یافتہ ممالک میں ڈیجیٹل ٹیکنالوجیز پر عائد پابندیاں

آئرلینڈ تو ایک چھوٹا سا یورپی ملک ہے، آپ اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، علمی وثقافتی تنظیم یونیسکو کی گلوبل ایجوکیشن مانیٹرنگ رپورٹ ۲۰۲۳ کو ہی دیکھ لیجئے جو کہ واضح طور پر کہتی ہے کہ "موبائل فون اسکولوں میں سیکھنے کے عمل میں رکاوٹ بنتے ہیں"۔ رپورٹ میں درج ہے کہ بیلجیم، اسپین، اور برطانیہ میں اسکولوں میں سے اسمارٹ فون کو ختم کرنے سے بچوں کے سیکھنے کے عمل میں بہتری آئی ہے۔ یہ رپورٹ چار سو پینتس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کو عالمی ماہرینِ تعلیم نے مرتب کیا ہے۔ یوں تو یہ رپورٹ پوری ہی پڑھنے کے قابل ہے کیونکہ یہ ٹیکنالوجی کا تعلیمی اداروں اور تعلیم پر اس کے اثرات کا ذکر کرتی ہے مگر اس رپورٹ کا آٹھواں باب نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں ٹیکنالوجی کے منفی اثرات اور عالمی سطح پر ٹیکنالوجی، موبائل فون اور سوشل میڈیا پر عالمی پابندی کے قوانین کو تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں ایک اقتباس درج ہے۔

"Studies from Belgium, Spain and the United Kingdom show that banning mobile phones from schools improves academic performance, especially for low-performing students. Analysis for this report shows that, globally, almost one in four countries has introduced such bans in laws or policies.

Article 25 of the education law in Tajikistan states that the use of mobile phones by students is prohibited in primary, vocational and secondary schools. In Uzbekistan, the law calls for switching off all devices when entering schools.

Several schools and universities in the United States have also started banning TikTok and other platforms".

ستمبر ۲۰۲۴ کو برطانوی اخبار گارڈین میں چھپنے والی "ہم پچھلے زمانے میں واپس جا رہے ہیں" رپورٹ کے مطابق کئی یورپی ممالک اسمارٹ فون کے اسکولوں میں لانے پر تدریجاً پابندی لگا رہے ہیں جن میں سرفہرست نیدرلینڈ، فرانس، ہنگری، اٹلی، اور یونان جیسے ممالک شامل ہیں۔ ان ممالک کے اسکولوں سے جڑے ماہرین تعلیم کا یہ ماننا ہے کہ جب ہم اسکولوں میں تمام بچوں کو دیکھتے ہیں تو وہ برآمدہ میں ٹہلتے ہوئے اسمارٹ فون میں منہمک نظر آتے ہیں، اُن کی آپس کی بات چیت ختم ہو چکی ہے اور کھیل کھیلنے والی ٹیبل ٹینس کی ٹیبلیں ویران پڑی رہتی ہیں اور بنیادی طور پر سماجی ثقافت کو کھو بیٹھے ہیں۔

"Six years ago, as officials at the Netherlands' Calvijn College began considering whether to ban phones from their schools, the idea left some students aghast.

"We were asked whether we thought we were living in the 1800s",

said Jan Bakker, the chair of the college, whose students range in age from 12to 18years.

While the majority backed the idea, about 20 ٪of the parents, teachers and students surveyed were staunchly opposed. Some were parents who worried about not being able to get hold of their children during the day, while a handful of teachers argued it would be better to embrace new technologies rather than shun them.

Still, school officials pushed forward".Walking through the corridors and the school yard, you would see all the children were on their smartphones. Conversations were missing, the table tennis tables were empty",said Bakker".Basically we were losing the social culture"".

اسی طریقے سے نیدرلینڈ کی حکومت نے موبائل فون، اسمارٹ واچز (گھڑیوں) اور ٹیبلٹس پر اسکولوں میں پابندی عائد کردی ہے۔ اس وقت برطانوی پارلیمنٹ میں اس موضوع پر قانون سازی کے لیے بحث چل رہی ہے کہ کیا اسکولوں پر یہ لازم کردیا جائے کہ وہ مکمل طور پر موبائل فون فری ہوں؟ آرگنائزیشن آف اکنامک کارپوریشن اینڈ ڈیولپمنٹ (او ای سی ڈی) یعنی اقتصادی تعاون وترقی کی عالمی تنظیم کی رپورٹ کے مطابق حد سے زیادہ ڈیجیٹل آلات کا کلاس روم میں استعمال سے طلبا کی تعلیمی کارکردگی پر منفی اثر پڑتا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں کم ازکم انیس ریاستوں نے ایسے قوانین منظور کیے ہیں یا ایسی پالیسی نافذ کی ہیں جو ریاست بھر میں طلبا پر اسکولوں میں اسمارٹ فون کے استعمال پر پابندی عائد کرتی ہیں۔

"Cell phones, smart watches, and tablets are now banned for pupils at Dutch primary and secondary schools. The Dutch government called them a "distraction" that reduces academic performance and social interaction.

"There is increasing evidence that cell phones in class are harmful. Students can concentrate less and their performance suffers. We need to protect students from that," the Dutch government said in a statement.

Greece and Italy already have mobile phone bans in schools, and Germany has been mulling a similar move. A recent study by the Organization for Economic

Cooperation and Development (OECD) recommened limiting the use of phones at school".

آسٹریلیا کی حکومت نے پچھلے مہینے یعنی نومبر ۲۰۲۴ کو سولہ سال تک کی عمر کے بچوں کو سوشل میڈیا استعمال کرنے پر پابندی کا قانون نافذ کردیا ہے اور اس کے پارلیمنٹ نے دنیا کا سخت ترین قانون پاس کیا ہے۔ آسٹریلین وزیر برائے مواصلات میشیل رولینڈ Michelle Rowland کے مطابق ٹک ٹاک، فیس بک، انسٹاگرام، ایکس (ٹیوٹر)، اسنیپ چیٹ وغیرہ پر ۲۰۲۵ تک مکمل پابندی لگائی جائے گی۔ آسان الفاظ میں سولہ سال کی عمر کے بعد ہی کوئی آسٹریلیا میں سوشل میڈیا کو استعمال کرسکے گا اور یہ پابندی صرف سوشل میڈیا کے اسکولوں میں استعمال تک محدود نہیں ہے بلکہ چوبیس گھنٹے سولہ سال کے کم عمر بچوں کو مکمل طور پر سوشل میڈیا استعمال کرنے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔

“Australia will ban children under 16 from using social media, after its parliament approved the world's strictest laws.

The ban, which will not take effect for at least 12months, could see tech companies fined up to A$50m (£25.7m / $32.5m) if they don't comply.

Prime Minister Anthony Albanese says the legislation is needed to protect young people from the "harms" of social media, something many parent groups have echoed.

The legislation does not specify which platforms will be banned. Those decisions will be made later by Australia’s communications minister, who will seek advice from the eSafety Commissioner–an internet regulator that will enforce the rules.

However the minister, Michelle Rowland, has said the ban will include Snapchat, TikTok, Facebook, Instagram and X. Gaming and messaging platforms are exempt, as are sites that can be accessed without an account, meaning YouTube, for instance, is likely to be spared”.

سوچنے کی بات ہے کہ کیوں ہمارے حکومتی عہدے داروں، سیاستدانوں، پالیسی بنانے والوں کے ساتھ ساتھ اسکولوں، کالجز، اور یونیورسٹیوں سے جڑے لوگوں کو یہ ترقی یافتہ ممالک کے قوانین اور پالیساں نظر نہیں آتیں؟

چند گزارشات

آخر میں ہم اس مضمون کے ذریعے ٹیکنالوجی کے حوالے سے چند گزارشات پیش کرنا چاہیں گے۔۔ ﴿بقیہ صفحہ ۲۰ پر﴾۔

☆☆☆☆☆☆

ذکر الٰہی

صاف ستھرا لباس بھی تسبیح و ذکر اللہ میں مشغول رہتا ہے!

مفتی ذکاوت حسین قاسمی
خادم حدیث و افتاء مدرسہ امینیہ دہلی

تمہید

سبحان اللہ! یہ بات خوب معلوم و مشہور ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز، چاہے وہ خشکی میں ہو یا تری میں، پیڑ پودے ہوں یا پہاڑ اور نہریں، ریت کے تودے ہوں یا بے جان و جاندار، حیوان ہوں یا انسان، ہر مخلوق اور ہر شے اپنے خالق اور رب یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر و تسبیح کرتی ہے۔

ذکر و تسبیح کے طور طریقے الگ الگ ہو سکتے ہیں، مگر رب تعالیٰ کی یاد سے غافل کوئی چیز نہیں ہے۔

تسبیح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے گویا اپنے خالق کی خالقیت کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے: ایک تصویر اپنے مصور کے معیارِ فن کا اظہار کرتی ہے، لیکن تمام مخلوقات کا ایک طرزِ تسبیح ''قولی'' بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے مناسب زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی اس زبانِ خاص سے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتی ہے۔

ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے

کائنات میں بسنے والی کل مخلوق اللہ رب العزت کی قدوسیت، تسبیح، تنزیہ، تعظیم، جلالت، بزرگی، پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ (الاسراء: 44)

ترجمہ: ''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں، وہ بڑا حلیم ہے، بڑا غفور ہے۔ (بیان القرآن)۔

مفسرِ قرآن علامہ طبری علیہ الرحمہ آیتِ مذکورہ کے تحت فرماتے ہیں:

أن كل ما دونه من خلقه يسبحه تعظيما له، وإقرارا بربوبيته، وإذعانا لطاعته، كما قال جل ثناؤه (تسبح له السماوات السبع والأرض ومن فيهن وإن من شيء إلا يسبح بحمده)۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق (تین بنیادوں پر) اپنے مالک کی تسبیح و تحمید کرتی ہے:

1. اپنے خالق کی تعظیم کے اظہار کے لیے۔
2. رب کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے لیے۔
3. مالک کی اطاعت قبول کرنے کے خیال سے۔

زمین و آسمان کی ہر چیز میں شعور و ادراک ہے اور ہر چیز حقیقی طور پر اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كُنَّا نَأْكُلُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الطَّعَامَ، وَنَحْنُ نَسْمَعُ

تَسْبِيحَ الطَّعَامِ" (صحيح بخاری، رقم الحديث: 3386)۔

ترجمہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

روایتِ حدیث میں ایسے واقعات کی کثرت پائی جاتی ہے جن میں غیر جاندار اشیاء کے احساسات اور جذبات کا ذکر ہے، ان میں اسطوانہ حنانہ کی حکایت بہت مشہور ہے، جو عام مسلمانوں کی زبان پر بھی رہتی ہے۔ اسی طرح ایک کاشتکار یا مالی جو بیج زمین میں ڈالتا ہے پھر اس کا پہلا تنہ جو زمین پھاڑ کر ظاہر ہوتا ہے یعنی کہ وہ کونپل جو زمین سے اگتی ہے وہ بھی اللہ تبارک وتعالی کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے اس کی توحید کا اپنے وجود کے ساتھ اقرار کرتی ہے، جیسا کہ فارسی شاعر نے کہا ہے:۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید۔ وحدہ لاشریک لہ گوید

(ترجمہ: زمین سے اگنے والی ہر نباتات اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی ہے)۔

صاف شفاف کپڑے بھی تسبیح کرتے ہیں

اسی ضمن میں اب ہم بات کرتے ہیں اپنے روزمرہ بدن پر استعمال ہونے والے کپڑوں کی کہ کیا ہمارے کپڑے بھی اللہ تبارک وتعالی کی حمد وثناء اور تسبیح وتمجید میں لگے رہتے ہیں؟ اور اس سلسلے میں کیا ہمیں کوئی شرعی راہنمائی بھی ملتی ہے؟

اللہ تعالی کی ہر مخلوق یہاں تک کہ ہمارے بدن کے صاف شفاف کپڑے بھی ذکر وتسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور جب میلے یا گندے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالی کی حمد وتسبیح کا سلسلہ رک جاتا ہے، یہی مضمون ایک روایت میں آتا ہے کہ جس کا مفہوم ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کپڑا اللہ تعالی کی تسبیح کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میلا ہو جائے، پس جب وہ میلا ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔

دوسری روایت حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے ہے کہ کپڑا جب تک نیا (صاف) رہتا ہے تسبیح کرتا رہتا ہے اور جب میلا کچیلا ہو جاتا ہے تو تسبیح چھوڑ دیتا ہے۔ اس سلسلے کی دو روایات مندرجہ ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اللباب فی علوم الکتاب: (۱۲/۲۹۶، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت) میں حضرت مقدام سے منقول ہے:

عن المقدام بن معدي كرب، قال: إن التراب يسبح مالم يبتل، فإذا ابتل ترك التسبيح، وإن الخرزة تسبح مالم ترفع من موضعها، فإذا رفعت تركت التسبيح، وإن الورقة تسبح ما دامت على الشجرة، فإذا سقطت، تركت التسبيح، وإن الماء يسبح ما دام جارياً، فإذا أركد، ترك التسبيح، وإن الثوب يسبح ما دام جديداً، فإذا وسخ، ترك۔

ترجمہ: صحابی رسول حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مٹی تسبیح کرتی ہے جب تک خشک رہے، جب گیلی ہو جائے تو تسبیح چھوڑ دیتی ہے۔ موتی (یا دانہ) تسبیح کرتا ہے جب تک اپنی جگہ پر برقرار رہے، جب اٹھا لیا جائے تو تسبیح بند کر دیتا ہے۔ پتا تسبیح کرتا ہے جب تک درخت پر لگا رہے، گر پڑے تو تسبیح چھوڑ دیتا ہے۔ پانی تسبیح کرتا ہے جب تک بہتا رہے، جب رک جائے تو تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔ اور کپڑا تسبیح کرتا ہے جب تک نیا (صاف شفاف) رہے، جب میلا ہو جائے تو تسبیح بند ہو جاتی ہے۔

(۲) الدر المنثور: (۵/۲۹۵، ط: دار الفکر، بیروت) میں ایک روایت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہے:

عن عائشة قالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لي: يا عائشة اغسلي هذين البردين فقلت: يا رسول الله بالأمس غسلتهما فقال لي: أما الثوب يسبح فإذا اتسخ انقطع تسبيحه.

حکم الاسناد: اس روایت کو ذہبی نے باطل لکھا ہے اور ابن الجوزی نے العلل المتناہیہ میں ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! یہ دونوں کپڑے دھو دو۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کل ہی تو میں نے انکو دھویا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتیں کہ کپڑا تسبیح کرتا ہے، اور جب میلا ہو جاتا ہے تو اس کی تسبیح منقطع ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کو فطرتِ سلیمہ پر پیدا فرمایا ہے اور اس کی فطرت میں جمال پسندی، حسن، صفائی اور خوبصورتی کی رغبت رکھی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میرے کپڑے دھلے ہوئے ہوں، سر میں تیل لگا ہو اور میرے جوتی نئی ہو، اس نے اور بھی کئی چیزیں ذکر کیں یہاں تک کہ اپنے چابک کی ڈوری کا بھی ذکر کیا اور پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ چیزیں تکبر سے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، یہ جمال ہے اور بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال سے محبت کرتا ہے، لیکن تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا میلے کچیلے، گندے اور ناپاک لباس میں رہنا شرعاً، عرفاً اور عقلاً کسی بھی زاویے سے درست و پسندیدہ نہیں، کیونکہ ایسا لباس اللہ کے ذکر سے محروم ہو جاتا ہے اور پھر طبیعت بھی اس کا اثر قبول کرتے ہوئے اللہ کے ذکر سے غافل ہوتی چلی جاتی ہے، اس لیے آدمی کو خوش وضع اور خوش پوشاک ہونا چاہیے، لباس کی صفائی و نظافت کا مکمل خیال رکھنا چاہیے، یہ ورع و تقوی اور خلوص وللّٰہیت کے قطعاً منافی نہیں ہے، تاکہ اس کا لباس بھی اللہ کے ذکر و تسبیح میں مشغول رہے جس سے اس کا باطن متاثر ہو اور لباس کے ذکر و اذکار کے فیوض و برکات اس کی طبیعت پر پڑیں۔ اس وقت اس کا رواں رواں، رگ رگ، ریشہ ریشہ زبانِ حال سے گویا ہوگا۔

سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم

☆☆☆☆☆☆☆

ارشاد باری:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾

خبردار!

اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

(سورۃ الرعد، آیت 28)

☆☆☆☆☆☆☆

دعوت فکر

تعلیم ڈھال بھی اور تلوار بھی

ابن رضوان مظاہری مرزاپوری

انسانی تاریخ میں ہر دور کی ایک پہچان رہی ہے۔ کبھی ایک وہ دور تھا کہ تلوار کا سیکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ایک بہادر اور سپاہی کا درجہ رکھتا تھا جو تلوار کا ماہر ہوتا تھا وہ اپنے وقت کے ظالموں کے خلاف کھڑا ہوتا تھا اور ظالموں سے لڑتا تھا۔

پھر ایک دور قلم کا آیا اور اس دور نے دنیا میں وہ اِنقلاب برپا کیا کہ دنیا کی تاریخ اسکو کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔

اور آج ایک اور دور آیا ہے اے آئی (آرٹیفیشل انٹیلیجنس) کا۔ آج دنیا تیزی سے بدل رہی ہے، نوکریوں کی نوعیت بدل چکی ہے، کاروبار کا انداز بدل رہا ہے، اور اگر کوئی چیز ہمیں اس تیز رفتار دنیا میں تھامے رکھ سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔ مگر یہ تعلیم صرف ڈگری تک محدود نہیں، بلکہ وہ شعور ہے جو انسان کو وقت کے ساتھ چلنا سکھاتا ہے۔

تعلیم کی اصل اہمیت

تعلیم (علم) انسان کو صرف روزگار نہیں دیتا بلکہ اسے سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص حالات کا رونا نہیں روتا بلکہ حالات سے لڑتا ہے اور اس سے راستہ نکالتا ہے۔ آج اگر تعلیم نہ ہو تو انسان ہجوم کا حصہ بن جاتا ہے، اور اگر تعلیم ہو تو وہ رہنما بن سکتا ہے۔ تعلیم انسان کے اندر اعتماد (Confidence)، صاف سوچ (Clear Thinking) اور دور اندیشی (Vision) پیدا کرتی ہے۔

آج کا سب سے بڑا چیلنج یہ ہے کہ مشینیں انسان کی جگہ لے رہی ہیں۔ آٹومیشن، روبٹس اور اے آئی ٹولز نے کئی روایتی نوکریاں ختم کر دی ہیں۔ ایسے میں صرف وہی لوگ Survive کر پائیں گے جو سیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور خود کو Update رکھتے ہیں۔

مجھے یہاں وہ بحث یاد آتی ہے جو مفتی شمائل صاحب اور جاوید اختر صاحب کے درمیان ہوئی، جہاں ایک طرف روایت اقتدار اور خدا کی وحدانیت کی بات تھی اور دوسری طرف جدید تعلیم اور ایک بے فضول سوچ کی۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ ہمیں دونوں کے درمیان توازن (Balance) پیدا کرنا ہوگا۔ نہ جدید تعلیم کے بغیر گزارا ہے، اور نہ ہی اقتدار کے بغیر، نا تو ہمیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑنا ہے اور نا ہی جدید تعلیمات سے روگردانی کرنی ہے، ہمیں اپنا ایمان اور اپنی تعلیم دونوں کو ساتھ لیکر چلنا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب ہمارے پاس علم ہوگا تبھی ہم اپنے ایمان اور اسلام کی حفاظت کر پائینگے، ورنہ آج کے اس پرفتن دور کا حال تو ہم سب کو معلوم ہی ہے۔

آج کے اس پرفتن دور کو دیکھ کر مُجھے آپ علیہ السلام کی وہ حدیث یاد آتی ہے اور میرے ایمان میں اضافہ کرتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنه، أَنَّ رَسُولَ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا، وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيعُ أَحَدُهُمْ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم لوگ نیک اعمال کی طرف جلدی کرو، ان فتنوں کے خوف سے جو سخت تاریک رات کی طرح ہیں جس میں آدمی صبح کے وقت مومن اور شام کے وقت کافر ہوگا، شام کے وقت مومن اور صبح کے وقت کافر ہوگا، دنیاوی ساز وسامان کے بدلے تم میں سے بعض آدمی اپنا دین بیچ دینگے"۔

امام ترمذی کہتے ہیں

یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذي/كتاب الفتن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم/حدیث:۲۱۹۵)

وضاحت: یعنی قرب قیامت کے وقت بکثرت فتنوں کا ظہور ہوگا، ہر ایک دنیا کا طالب ہوگا، لوگوں کی نگاہ میں دین و ایمان کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، انسان مختلف قسم کے روپ اختیار کرے گا، یہاں تک کہ دنیوی مفادات کی خاطر اپنا دین وایمان فروخت کر بیٹھے گا، اس حدیث میں ایسے حالات میں اہل ایمان کو استقامت کی اور بلا تاخیر اعمال صالحہ بجا لانے کی تلقین کی گئی ہے۔

الغرض تعلیم (علم) وہ چراغ اور روشنی ہے جو اندھیروں میں راستہ دکھانے کا کام کرتا ہے۔ جس گھر میں تعلیم کی روشنی ہوتی ہے، وہاں غربت بھی شرمندہ ہوکر لوٹ جاتی ہے۔ ماں باپ کی آنکھوں میں سب سے بڑا خواب اپنے بچے کو پڑھتا ہوا دیکھنا ہوتا ہے، اور بچے کی سب سے بڑی ذمہ داری اس خواب کو حقیقت میں بدلنا ہے۔ آج اگر ہم نے سیکھنا چھوڑ دیا تو وقت ہمیں پیچھے چھوڑ دے گا، اور اگر ہم نے سیکھنا جاری رکھا تو وقت ہمارا ساتھ دے گا اور ہم دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکیں گے۔

اسلام نے جس دن سے انسان کو مخاطب کیا، اسی دن سے تعلیم کو زندگی کی بنیاد قرار دیا۔ قرآنِ پاک کی پہلی وحی کا پہلا لفظ اقرأ (پڑھو) ہے۔ یہ محض ایک لفظ نہیں بلکہ ایک پیغام ہے کہ انسان کی عزت، اس کی پہچان اور اس کی بقا علم سے جڑی ہوئی ہے۔ آج ہم جس دور میں زندہ ہیں وہ اے آئی یعنی آرٹیفیشل انٹیلیجنس کا دور ہے، جہاں مشینیں تیز ہیں، روبوٹس کا زمانہ ہے اور دنیا لمحوں میں بدل رہی ہے۔ ایسے وقت میں تعلیم کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ تعلیم اسلامی روایت اور اخلاق کے دائرے میں ہو۔

اسلام میں علم کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ" علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یہ علم صرف دینی نہیں بلکہ دنیاوی بھی ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد اللہ کی مخلوق کی بھلائی ہو۔ ایک تعلیم یافتہ مسلمان صرف روزی کمانے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ معاشرے کا سہارا بنتا ہے، ظلم کے خلاف کھڑا ہوتا ہے اور حق کی گواہی دیتا ہے۔

آج کا مسلمان نوجوان ایک بڑے امتحان سے گزر رہا ہے۔ ایک طرف ٹیکنالوجی، اے آئی ٹولز، آٹومیشن اور ڈیجیٹل دنیا ہے، اور دوسری طرف ایمان، اقتدار اور اسلامی شناخت۔ اگر علم نہ ہو تو انسان یا تو ٹیکنالوجی سے خوف زدہ ہو جاتا ہے یا اس کا غلام بن جاتا ہے۔ لیکن اگر علم ہو، ۔۔۔۔ ﴿بقیہ صفحہ ۱۰ پر﴾۔

تحلیل وتلقین

آج کے طالب علم کیسے مدرسے میں پڑھنا پسند کرتے ہیں؟

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

آج کے طالب علم ایسے مدرسے میں پڑھنا پسند کرتے ہیں جہاں جماعتوں میں طلبہ کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ نہ استاد کو طالب علم کا سبق سننے کی فرصت ملے اور نہ طالب علم کو سبق یاد کر کے آنے کی ضرورت محسوس ہو۔ نہ محنت کا بوجھ، نہ جواب دہی کا خوف، نہ تیاری کی فکر، یوں استاد بھی مطمئن اور شاگرد بھی خوش۔

انہیں ایسے مدرسے بھی خوب بھاتے ہیں جہاں اساتذکرام کا قیام احاطہ مدرسہ میں نہ ہو، اور شب و روز موبائل فون اور بے مقصد سرگرمیوں کی کھلی چھوٹ حاصل ہو۔

انہیں وہ ادارے بھی پسند آتے ہیں جہاں اساتذہ تدریس سے زیادہ ملکی و بیرونی اسفار میں مصروف ہوں، جلسوں، کانفرنسوں اور تقریبات کی رونق بڑھانے والے پروگراموں کا سلسلہ جاری رہتا ہو، جہاں درس گاہ سے زیادہ اسٹیج آباد ہوں۔

اسی طرح وہ مدرسہ بھی ان کی پسند کا مرکز ہوتا ہے جہاں مطالعہ تکرار، مباحث اور علمی مشقوں سے مکمل فراغت نصیب ہو۔ نہ راتوں کی محنت، نہ اسباق کی دہرائی، نہ علمی ذوق کی آبیاری؛ بس وقت گزرتا رہے اور سال پورے ہو جاتے ہیں (بمشکل چھ ماہ)۔

اور اگر کوئی ایسا مدرسہ مل جائے جہاں وضع قطع درست رکھنے کی ضرورت نہ ہو، لباس و ہیئت کی کوئی پابندی نہ ہو، نماز باجماعت کی حاضری لازم نہ ہو، وقت کی پابندی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا ہو اور نظم وضبط کے نام سے ہی آزادی سلب ہوتی محسوس نہ ہو تو پھر کیا کہنا! ایسے ماحول میں نفس کو خوب آسودگی ملتی ہے اور ذمہ داریوں سے فرار کے سارے راستے کھل جاتے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ جن مدارس میں نظم وضبط، تربیت، کردار سازی اور علمی استعداد پیدا کرنے کی فکر نہیں کی جاتی، وہاں کے یہی طلبہ بعد میں زندگی بھر اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے ہیں۔ ان کی شخصیت بے ڈھنگی اور صلاحیتیں ناپختہ رہ جاتی ہیں، سچ ہے کہ بے روح اور بے اثر استاذ سے ناکارہ افراد ہی تیار کرنے کا سب سے بڑا واسطہ ہے۔

جب بچپن اور طالب علمی کے دور میں صحیح تربیت نہ ہو تو ایسے افراد نہ اپنے اساتذہ کے وفادار بنتے ہیں، نہ اپنے مدرسہ کے، اور نہ ہی ملت اسلامیہ کے خیر خواہ بنتے ہیں۔ انہیں ہر جگہ حق تو یاد رہتا ہے مگر اپنی ذمہ داری یاد نہیں رہتی، مطالبات تو خوب معلوم ہوتے ہیں مگر فرائض کا احساس مفقود رہتا ہے۔ اور وہ اس ادارہ اور استاذ کو ہمیشہ کوستے ہیں اور خون کے آنسو بہاتے ہیں جہاں سے ان کو زندگی برباد کرنے، ناکامیوں محرومیوں اور بے سمتی کا سرٹیفکیٹ ملا ہے۔

ہائے افسوس! جب یہی قوم کے نونہال فراغت کی ڈگری لے کر علم کے بازار میں اپنی قیمت لگوانے نکلتے ہیں تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں صرف سند نہیں، صلاحیت بھی دیکھی جاتی ہے علمی

پختگی بھی مطلوب ہوتی ہے؟، کردار اور استعداد بھی تو لی جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے پاس دکھانے کے لیے اکثر نہ علم ہوتا ہے، نہ فن، نہ مہارت اور نہ کوئی نمایاں صلاحیت۔

پھر جب یہی افراد بے اصولی، بے نظمی اور ناخواندگی کے ماحول سے نکل کر کسی با اصول اور منظم ادارے میں تدریس کا موقع پا بھی لیتے ہیں تو چند ہی دنوں میں وہاں کا ماحول انہیں کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ وقت کی پابندی گراں گزرتی ہے، جواب دہی دشوار اور محنت بوجھ معلوم ہوتی ہے اور علمی تیاری پہاڑ نظر آتی ہے۔ درسگاہوں میں برسوں سر پٹکنے کے باوجود ایک سبق مؤثر انداز میں پڑھانے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو پاتی۔

اور جب طبیعت کو بے مہار آزادی کی وہ خوراک نہیں ملتی جس کی اسے عادت پڑ چکی ہوتی ہے تو پھر راہ فرار تلاش کی جاتی ہے۔ کبھی مدرسہ کی خامیاں گنوائی جاتی ہیں کبھی تنخواہ کی کمی کا رونا رویا جاتا ہے، کبھی نظم وضبط کی شکایت کی جاتی ہے اور کبھی اصول و ضوابط کی پابندیوں کو اپنی ناکامی کا سبب قرار دیا جاتا ہے۔

آخر کوئی بتائے کہ قوم وملت کے سرمائے سے برسوں پلنے والے، اساتذہ کی محنتوں سے فائدہ اٹھانے والے یہ افراد نہ تدریس میں ممتاز ہوں، نہ کردار میں نمونہ اور نہ خدمت دین میں نمایاں، تو پھر وہ نہ گھر کے رہتے ہیں نہ گھاٹ کے۔

مدارس اسلامیہ کے استحکام کے لیے چند اہم گزارشات

حضرات علماء کرام!

مدارس اسلامیہ دین کے قلعے اور ملت کی امانت ہیں۔ اگر ہم مدارس کے معیار کو مضبوط بنانا چاہتے ہیں تو چند بنیادی امور پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا:

1- تعلیم کے ساتھ تربیت کو اولین ترجیح:

آج بہت سے مدارس میں تعلیم موجود ہے مگر تربیت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ طالب علم صرف کتاب کا حافظ نہ بنے بلکہ سنت، اخلاق، ادب اور خوف خدا کا پیکر بنے۔

2 معلم کا معیار:

مدرسہ کی کامیابی عمارتوں سے نہیں بلکہ اساتذہ سے ہوتی ہے۔ اساتذہ کی تقرری تعلقات یا سفارش سے نہیں بلکہ: علم، تقوی، حسنِ اخلاق، تربیتی صلاحیت کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ دراصل استاذ ایسا ہو جو تمام تر مصروفیات سے اپنے کو فارغ کر کے درسگاہوں کی نظر ہو جائے۔

غیر مہذب اور غیر معیاری اساتذہ کے زیر سایہ حاصل کی گئی ابتدائی تعلیم طلبہ کی شخصیت کو اصول، ضابطے اور اخلاقی تربیت سے محروم کر دیتی ہے۔ نتیجتاً یہی طلبہ جب تدریس کے منصب پر فائز ہوتے ہیں تو یہ تعلیمی نظم وضبط سے ناآشنا رہتے ہیں اور مدارس کے تربیتی نظام سے بھی دوری اختیار کرتے ہیں۔

3- اساتذہ کی معقول تنخواہ:

فاقہ زدہ استاذ سے معیاری تعلیم کی توقع مشکل ہے۔ اگر ہم معیاری طلبہ چاہتے ہیں تو پہلے معیاری اساتذہ کی عزت اور ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔

4- موبائل اور سوشل میڈیا:

موبائل نے طلبہ اور بعض اساتذہ کی یکسوئی کو متاثر کیا ہے۔ مدارس میں تعلیمی اوقات کے دوران موبائل کے استعمال کے لیے واضح پالیسی ضروری ہے۔

5 تعلیمی ایام میں اضافہ:

تعطیلات اور غیر حاضریوں کی وجہ سے سال بھر کی حقیقی تعلیم

بہت کم رہ جاتی ہے۔ مدارس کو کم از کم اتنے تعلیمی ایام یقینی بنانے چاہئیں کہ نصاب اطمینان کے ساتھ مکمل ہو اور طلبہ میں علمی پختگی پیدا ہو۔

6۔ دو سال تعلیم کو ایک سال میں سمیٹنے کا رجحان:

یہ طرز عمل علمی معیار کو شدید نقصان پہنچاتا ہے۔ نصاب میں اختصار کے بجائے معیار اور استعداد کی کوشش ضروری ہے۔

7- مسجد کو مرکز تربیت بنایا جائے:

مسجد صرف نماز کی جگہ نہیں بلکہ مدرسہ کی روح ہے۔ باجماعت نماز، صفوں کی درستگی، خاموشی، ادب اور ذکر و تلاوت کی فضا طلبہ کی شخصیت سازی میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

8 مطبخ اور رہائش کا معیار:

غذا، صفائی، رہائش اور صحت کا نظم بھی تعلیم کا حصہ ہے۔ بیمار، کمزور اور پریشان طالب علم علمی ترقی نہیں کر سکتا۔

9۔ مقامی سطح پر دینی تعلیم کا مزاج بنایا جائے:

اگر علماء جمعہ کے خطبات اور عوامی مجالس میں فضائل علم اور مدارس کی اہمیت بیان کریں تو مقامی علاقوں سے بھی باصلاحیت طلبہ مدارس کا رخ کریں گے۔

10- مدارس میں احتساب اور معیار بندی:

ہر علاقے میں چند معیاری مدارس پر مشتمل ایک مشاورتی شوری ہو جو تعلیمی معیار کا جائزہ لے تربیتی ماحول دیکھے، صفائی و نظم کا معائنہ کرے، بہترین مدارس اور طلبہ کی حوصلہ افزائی کرے۔

پانچ میموں کا خلاصہ:

اگر مدارس کو مضبوط بنانا ہے تو پانچ میموں کو مضبوط کرنا ہوگا۔

محمد: اسوۂ حسنہ اور سنت نبوی ﷺ

مہتمم: مخلص مہتمم وردور اندیش منتظم

معلم: باعمل اور صاحب تقویٰ استاذ

مطبخ: پاکیزہ اور منتظم غذا

مسجد: تربیت و روحانیت کا مرکز

یہ پانچ میمیں مضبوط ہوں گی تو مدارس کا مستقبل بھی مضبوط ہوگا۔

مدارس کی اصل کامیابی طلبہ کی تعداد میں نہیں، بلکہ ایسے علماء تیار کرنے میں ہے جو علم کے ساتھ عمل، تقویٰ کے ساتھ اخلاص، اور دین کے ساتھ خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہوں۔

اخیر میں درخواست ہے کہ مدارس اسلامیہ صرف دینی تعلیم کے مراکز نہیں بلکہ امن، اخوت، اخلاق اور انسانی اقدار کے فروغ کے بھی عظیم مراکز ہیں۔ اس لیے مناسب ہوگا کہ مدارس اپنے سالانہ جلسوں تعلیمی و سماجی پروگراموں اور مختلف مناسبتوں پر دیگر مذاہب کے ذمہ دار افراد، ہندو بھائیوں، دانشوروں، اساتذہ، سماجی کارکنوں اور دیگر سیکولر شخصیات کو بھی مدعو کریں۔ اس سے نہ صرف باہمی اعتماد، محبت اور قومی یکجہتی کی فضا مضبوط ہوگی بلکہ مدارس کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیاں، شکوک و شبہات اور غیر ضروری دوریاں بھی کم ہوں گی۔

جب مختلف طبقات کے افراد مدارس کے ماحول، نظم وضبط، تعلیم و تربیت اور دینی خدمات کو قریب سے دیکھیں گے تو انہیں یہ احساس ہوگا کہ مدارس معاشرے میں نفرت نہیں بلکہ اخلاق، انسانیت، کردار سازی اور پرامن بقائے باہمی کا پیغام عام کر رہے ہیں۔ موجودہ دور میں یہ طرز عمل مدارس اور معاشرے کے درمیان بہتر تعلقات، باہمی احترام اور مثبت ہم آہنگی پیدا کرنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

سیرت وسوانح

حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی

(ایک عالم ربانی، ایک درویش باصفا)

محمد مسعود عزیزی ندوی

تمہید

اللہ تعالیٰ ہر دور میں اپنے دین کی حفاظت اور بندگانِ خدا کی رہنمائی کے لیے کچھ ایسے خاص بندے پیدا فرماتا ہے، جو علم وعمل، تقویٰ واخلاص اور دعوت واصلاح کا حسین امتزاج ہوتے ہیں۔ یہ حضرات محض علم کے حامل نہیں ہوتے بلکہ ان کا علم دلوں کو زندہ کرنے والا، کردار کو سنوارنے والا اور اللہ سے جوڑنے والا ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضرات کو اصطلاح میں ''عالمِ ربانی'' کہا جاتا ہے، جن کی نسبت ربِّ کریم کی طرف ہوتی ہے اور جن کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اللہ والے عالم ربانی کی مجلس ذکرِ الٰہی کی خوشبو سے معطر، ان کی گفتگو حکمت و دانائی سے لبریز، اور ان کا کردار سنتِ نبوی ﷺ کا عملی نمونہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف کتابوں کے عالم ہوتے ہیں بلکہ دلوں کے معالج بھی ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت انسان کے باطن میں انقلاب برپا کر دیتی ہے اور غفلت میں ڈوبے ہوئے دلوں کو بیدار کر دیتی ہے۔

ایسے ہی ایک اللہ والے عالم ربانی حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمیؒ تھے، جن کی زندگی سراپا دعوت، اخلاص اور للّٰہیت کی روشن مثال ہے، ان کے افکار واعمال سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے اور اپنے ایمان وعمل کی اصلاح کا سامان مہیا کیا جاسکتا ہے۔

حضرت کی پیدائش اور تعلیم وتربیت

حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی پیدائش ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ۳/ فروری ۱۹۴۷ء کو سرساوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، فطری ذہانت، دینی ماحول اور خاندان کی علمی روایات نے آپ کی شخصیت کو ابتدائی ہی سے سنوارنا شروع کر دیا تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں ہی میں حاصل کی، مگر علم کی پیاس ایسی تھی کہ جلد ہی آپ نے اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ۱۳۸۰ ہجری میں جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور کا رخ کیا، وہاں آپ نے نہ صرف عربی زبان وادب کی باریکیوں کو سمجھا بلکہ علوم دینیہ میں گہری مہارت حاصل کی، تعلیم کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد آپ کی علمی جستجو مزید آگے بڑھی اور کئی سال قیام کے بعد ۱۳۸۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور وہاں محدثین وفقہاء کی مبارک مجلسوں میں بیٹھ کر آپ نے دورۂ حدیث شریف سے ۱۳۸۸ ہجری مطابق ۱۹۶۸ء میں فراغت حاصل کی۔

کاشف العلوم میں آپ کا تقرر اور اہتمام

زمانہ طالب علمی ہی میں ذہین وفطین اور باصلاحیت تھے، اس لئے فراغت کے فوراً بعد کاشف العلوم کے مہتمم حضرت مولانا شریف احمد صاحب نے آپ کو کاشف العلوم کیلئے طلب فرمایا،

اور ۱۵/ شعبان ۱۳۸۸ ہجری میں وہاں آپ کا تقرر کیا، چنانچہ وہاں مختلف درجات کی کتابیں پڑھاتے ہوئے ترقی کرتے گئے، اور ذمہ داران مدرسہ کا اعتماد حاصل کیا، اور ۱۹۹۸ء میں آپ کاشف العلوم کے نائب مہتمم بنائے گئے، ایک موقع پر حضرت حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ نے یہ فرمایا کہ ''مجھے دیانت مال اور دیانت نفس میں ان پر بھرپور اعتماد ہے''، ۲/ اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۹/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ میں حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کے انتقال کے بعد مجلس شوری نے آپ کو کاشف العلوم کا مہتمم نامزد کیا۔

بیعت وسلوک اور اجازت وخلافت

ماشاء اللہ شروع ہی سے سلوک وطریقت کے سلسلہ میں آپ نے محنت کی، اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ حضرت شاہ حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور ان کی سرپرستی میں سلوک وطریقت کے منازل طے کئے، یہاں تک کہ ۱۹۹۰ء میں حضرت حافظ صاحب نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا، جب کہ اس سے پہلے ۱۹۸۵ء میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب الہ آبادی خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے آپ کو اجازت و خلافت سے نواز دیا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا نے جامعہ کاشف العلوم کے اہتمام کیساتھ تصوف وسلوک کے میدان میں بھی اپنا فیضان جاری رکھا، اور آپ سے آپ کے متعلقین نے فیض حاصل کیا، اسی طرح تقریر وخطابت، درس وتدریس اور اصلاح وتربیت کے ذریعہ بھی امت کی ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔

حضرت کی خصوصیات

حضرت والا کی طبیعت میں نیکی، سادگی، تواضع، اور للّٰہیت تھی، آپ چھوٹوں پر انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے اور بڑوں کے نہایت ہی قدرداں تھے، اپنے آپ کو کبھی کچھ نہیں سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے عزت واحترام کا جو مقام دیا تھا اس پر قانع تھے، فرماتے تھے ''اب کوئی تمنا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے اور ہر عزت واحترام کی بات سے نواز رکھا ہے''۔

راقم کی غالباً پہلی ملاقات ۲۰۰۷ء میں ہوئی جبکہ گجرات کے بعض مہمانوں کے ساتھ جامعہ کاشف العلوم جانا ہوا، حضرت مولانا سے ملاقات کی اور اپنی بعض تصنیفات حضرت والا کی خدمت میں پیش کیں تو حضرت والا نے انتہائی احترام کے ساتھ کتابوں کو سر پر رکھا اور بہت ہی عزت دی، ان کے اس عمل سے ناکارہ ان کا چاہنے والا اور ان سے محبت کرنے والا بن گیا، اور انکی عزت وعظمت دل ودماغ میں رچ بس گئی، کہ کیسے انہوں نے ایک ادنیٰ سے آدمی یا طالب علم کو عزت دی، بہرحال اس کے بعد ان سے تعلق میں اضافہ ہوتا گیا۔

سادگی کا ایک عجیب واقعہ

حضرت والا کی سادگی اور للّٰہیت کا ایک عجیب وغریب واقعہ اس طرح پیش آیا کہ وہ کچھ دنوں کے بعد مولانا حبیب اللہ قاسمی کے ساتھ راقم سطور سے ملاقات کے لئے صبح تقریباً ساڑھے نو بجے کے قریب مظفرآباد تشریف لائے، جمعہ کا دن تھا، ہمارے چوکیدار نے حضرت والا کو کہا کہ جی دس بجے سے پہلے ملاقات نہ ہو سکے گی، حالانکہ میں اندر تھا، اگر اطلاع ملتی تو ضرور ملاقات کرتا، حضرت والا کی بھی سادگی دیکھئے کہ نہ فون کیا، نہ کوئی پیشگی اطلاع دی، اور نہ کوئی اصرار کیا بلکہ ایک تحریر لکھ کر دے گئے، راقم جب

دس بجے باہر نکلا چوکیدار نے ایک خط دیا، جس میں حضرت مولانا نے اپنی آمد اور ملاقات نہ ہونے کی بات ذکر کی۔ اور ایک شعر لکھ کر چلے گئے کہ:

''فقیرانہ آئے صدا کر چلے،
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے''

میں دیکھ کے حیران رہ گیا، اور یہ سمجھ میں نہ آیا کہ کون آیا تھا، تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب اور مولانا حبیب اللہ قاسمی تشریف لائے تھے، بہت افسوس ہوا اور اپنی محرومی، نادانی پر کف افسوس ملا، خط کے اندر بھی کوئی شکایتی جملہ نہ تھا، اگلے روز جامعہ کاشف العلوم چھٹمل پور حاضر ہوا، حضرت والا کے کمرے کے سامنے سے جوتے اٹھا کے حضرت والا کو دینا چاہے کہ میرے سر پر مار دئے جائیں۔ اور اپنی نادانی، حماقت اور گستاخی، شرمندگی ظاہر کی، لیکن بڑی بات جو قابل تقلید و قابل عمل ہے، وہ یہ کہ حضرت والا نے اس وقت بھی اور اس کے بعد کبھی بھی اس کا اظہار نہیں کیا کہ ہم آئے تھے اور آپ ملے نہیں، ورنہ تو کوئی اور ہوتا تو سنجیدگی میں نہ سہی مذاق مذاق میں ہی کئی مرتبہ بلکہ جب بھی موقع ملتا وہ یہ کہتا کہ بھائی آپ تو بڑے آدمی ہیں، آپ کہاں ملتے ہیں، آپ سے ملاقات کہاں آسان ہے، لیکن قربان جایئے حضرت والا کی سذاجت اور للّٰہیت پر کہ نہ اس وقت نہ بعد میں کبھی بھی زبان پر حرف شکایت نہ آیا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کو غریقِ رحمت کرے اور درجات بلند فرمائے۔

حضرت سے خاص تعلق اور آپ کی طرف سے اجازت

اس کے بعد حضرت والا سے خاص تعلق ہو گیا، حضرت والا بھی کہیں علاقے میں آتے تو مظفر آباد ضرور حاضر ہوتے، کبھی دوپہر میں یہیں آکر آرام کرتے، کبھی تھوڑی دیر کے لئے آتے، حضرت والا کو اپنائیت محسوس ہوتی اور آرام ملتا، اور ناکارہ بھی گاہے بگاہے ملاقات کے لئے خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا رہتا تھا، یہاں تک کہ ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۹/ فروری ۲۰۱۵ء کو جب حضرت والا سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو حضرت والا نے راقم پر اعتماد فرمایا اور اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، اس طرح حضرت والا شیخ کے درجے میں ہو گئے، اور خاص تعلق ہو گیا بلکہ بعض مرتبہ متعلقین کو بھی راقم کے پاس بھیجتے۔

حضرت کی وفات

بہرحال حضرت والا عظیم اللہ والے عالم ربانی تھے، اور ان کا فیض برابر جاری تھا کہ وہ اپنے رب سے انعام پانے کے لئے ۱۹/ اکتوبر ۲۰۲۵ء کو اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ اور آپ کا سلسلہ فیض جس سے ایک امت مستفیض ہو رہی تھی، منقطع ہو گیا، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات بلند فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور آپ کے چاہنے والے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں اپنے نیک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ محمد اقبالؒ۔

☆☆☆☆☆☆

راہ فلاح

کامیاب زندگی کے تین اہم اصول!

مولانا محمد اویس مظاہری سہارنپوری

وقت انسانی زندگی کا سب سے گراں مایہ اور بے بہا سرمایہ ہے، لیکن حیرت انگیز المیہ یہ ہے کہ انسان جس بیدردی، لاپرواہی اور بےفکری کے ساتھ اس دولت کو لٹاتا ہے، اپنی ملکیت کی کسی دوسری ادنیٰ چیز کو بھی اس طرح رائیگاں جانے نہیں دیتا۔ وقت کو ضائع ہونے سے بچانے اور اس کے فیوض و برکات سے دامن بھرنے کے لیے وقت کے نبض شناسوں اور مفکرین نے کچھ زریں تدابیر اور اصول وضع کیے ہیں، جن میں سے تین بڑے اصول درجِ ذیل ہیں:

(۱) نظام الاوقات (ٹائم ٹیبل)

شب و روز کے لمحات کے لیے ایک منظم پروگرام اور عمل کا ایک مخصوص دائرہ کار متعین کرنے کا نام ''نظام الاوقات'' ہے۔ ہر انسان کی زندگی مختلف ذمہ داریوں اور فرائض کا مجموعہ ہے؛ ان امور سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کا سہل اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ انسان پہلے سے ایک مرتب نظامِ عمل کا پابند ہوجائے۔

امور کی نوعیت اور وقت کا تناسب:

اوقات کی یہ ترتیب بناتے وقت کاموں کی تقدیم و تاخیر (ترجیحات)، ان کی نوعیت کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کون سا عمل کس وقت زیادہ سازگار ماحول میں بہتر طریقے سے ادا ہوسکتا ہے۔ جو کام ذہنی یکسوئی اور تازگی طبع کا تقاضا کرتے ہوں، ان کے لیے ایسے اوقات کا انتخاب کیا جائے جب ذہن و دماغ نشاط سے بھرپور ہوں۔

سحر خیزی کی برکتیں:

صبح کا وقت انسانی قوا اور صلاحیتوں کی شادابی اور رعنائی کا وقت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات ﷺ نے اپنی امت کے لیے صبح کے اوقات میں خاص برکت کی دعا فرمائی ہے۔

امام ترمذیؒ کی روایت کے مطابق، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ زہراؓ کو صبح کے وقت آرام فرماتے دیکھ کر ارشاد فرمایا: اے بیٹی! اٹھو اور اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہو اور غفلت شعاروں میں سے نہ بنو، کیونکہ اللہ تعالیٰ طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس کے درمیان بندوں کا رزق تقسیم فرماتا ہے۔

برق رفتار وقت کو اسیر کرنا:

وقت کی مثال ایک ایسے جابر و قاہر حاکم کی ہے جو کسی کے لیے نہیں رکتا۔ اگر اسے منصوبہ بندی کے تحت قابو نہ کیا جائے، تو یہ ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل جاتا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''نیرنگِ خیال'' میں وقت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے

وقت ایک پیرہن سال (بوڑھے) کی تصویر ہے، جس کے بازوؤں پر پرندوں کی طرح پر لگے ہیں اور وہ ہوا میں اڑتا چلا جاتا

ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں شیشۂ ساعت ہے جس سے وہ ہمیشہ ساعتیں گنتا ہے، اور دوسرے ہاتھ میں درانتی ہے جس سے وہ اہل عالم کو اپنے گزرنے کا اندازہ دکھاتا ہے اور ایک ظالم خونریز کی طرح لوگوں کی امیدوں کی کھیتی کاٹتا چلا جاتا ہے۔

دانائی کا تقاضا یہ ہے کہ وقت کو آگے سے بڑھ کر اس کی چوٹی سے پکڑ لیا جائے، کیونکہ اس کے سر کے پچھلے حصے پر بال نہیں ہیں (یعنی گزرا ہوا وقت دوبارہ گرفت میں نہیں آسکتا)۔ جو شخص پیش بینی سے کام لیتا ہے، وہی وقت کو مسخر کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

علمی کمالات کا راز:

نظام الاوقات کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ہر کام اپنے وقت پر پوری دلجمعی اور اطمینان کے ساتھ انجام پاتا ہے، اور انسان کسی پوشیدہ ذہنی خلفشار یا الجھن کا شکار نہیں ہوتا۔ تاریخِ انسانی میں جتنے بھی عظیم علمی و تصنیفی کارنامے انجام دیے گئے، ان کی بنیاد یہی نظام الاوقات کی سخت پابندی تھی۔

(۲) صحت و تندرستی کی حفاظت

انسانی جسم اور ذہن کی صحت حق تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نعمت اور بیش بہا عطیہ ہے۔ وقت کی برق رفتاری کے ساتھ قدم ملا کر چلنا اور زندگی کے وجود سے فیض اٹھانا صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب صحت و توانا ہونا میسر ہو۔ اگر انسان امراض کا شکار ہو کر جسمانی و ذہنی افسردگی میں مبتلا ہو جائے، تو حیات کا چمن مرجھا جاتا ہے اور کائنات کا ہر خوبصورت منظر دل کو اداس کرنے لگتا ہے۔

نفس اور اعضا کے حقوق:

یہ جان و دل ہمارے پاس پروردگار کی امانت ہیں اور ہر امانت اپنی حفاظت کا مطالبہ کرتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: بے شک تیرے رب کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے، پس ہر حق دار کو اس کا حق ادا کر۔

اعتدال پسندی:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب کثرتِ کار کے بعد ذرا آرام فرما رہے تھے، تو ان کے صاحبزادے نے حاضر ہو کر عرض کیا: ابا جان! آپ سو رہے ہیں جبکہ سائلین دروازے پر کھڑے ہیں؟ عمر بن عبدالعزیزؒ نے حکمت آمیز جواب دیا: اے پیارے بیٹے! میرا یہ نفس میری سواری ہے، اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس پر حد سے زیادہ بار ڈال دوں گا تو یہ چلنے کے قابل ہی نہیں رہے گا۔

معلوم ہوا کہ تعمیری زندگی کے لیے جسمانی صحت کی نگہداشت ایک فطری اور ناگزیر امر ہے۔

مستقل مزاجی کا جادو:

وہ عمل جو صحت کو متاثر کرے یا حد سے بڑھ جائے، وہ پسندیدہ نہیں ہے۔ غفلت کی نیند سونے والے تیز رفتار خرگوش سے وہ سست رفتار کچھوا بدرجہا بہتر ہے جو دھیمی مگر مسلسل چال سے منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ پانی کا وہ قطرہ جو مسلسل ایک ہی جگہ ٹپکتا رہتا ہے، وہ وقت گزرنے کے ساتھ سخت چٹان کے سینے میں بھی راستہ بنا لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جو مستقل ہو، اگرچہ وہ مقدار میں کم ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) احتساب (محاسبۂ نفس)

وقت کو درست نہج پر استعمال کرنے اور اس کے نفع و نقصان

کو جانچنے کی آخری کسوٹی ''احتساب'' ہے۔ یہ عمل انسان کو اس بات کا آئینہ دکھاتا ہے کہ اس نے زندگی کے سرمائے سے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ احتسابی عمل انفرادی سطح پر بھی لازم ہے اور اجتماعی سطح پر بھی۔

جب انسان بیتے ہوئے لمحات کا سنجیدگی سے جائزہ لیتا ہے، تو ضائع ہونے والے اوقات پر دل میں ایک حسرت، ندامت اور ایک گہرا احساسِ زیاں پیدا ہوتا ہے۔

یہ ندامت بذاتِ خود بری نہیں ہے، بلکہ اگر ماضی کی اس کوفت اور پشیمانی سے سبق سیکھ کر انسان کے اندر مستقبل کو سنوارنے کا ایک نیا عزمِ مصمم اور ولولہ پیدا ہو جائے، تو یہی احساسِ تلافی وقت کے زیاں کو روکنے اور حیات نو کی تعمیر کا سب سے مؤثر اصول بن جاتا ہے۔

حاصل کلام:

اگر ہم اپنی زندگی کے شب و روز کو ''نظام الاوقات'' کے سانچے میں ڈھال لیں، اللہ کی دی ہوئی ''صحت'' کی دل و جان سے حفاظت کریں اور ہر شام اپنے بیتے ہوئے کل کا ''احتساب'' کریں، تو ہم نہ صرف وقت کے زیاں سے محفوظ ہو جائیں گے بلکہ کامیابی و کامرانی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

☆☆☆☆☆☆

ڈیسینٹ اکیڈمی مظفرآباد سہارنپور اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ

زمانہ بجلی کی رفتار سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے، ترقی کی اس دوڑ میں بچوں کی فطری صلاحیتوں کو پہچان کر کم وقت میں پلاننگ کے ساتھ دینی ماحول میں دی گئی تعلیم ہی دین و دنیا میں کامیابی کا ضامن بن سکتی ہے، اس لئے ڈیسینٹ اکیڈمی لایا ہے:

۱- چار سالہ حفظ القرآن پروگرام، جس کا مقصد بچوں کو دینی ماحول کے اندر حفظ کے ساتھ ساتھ انگریزی میڈیم میں آٹھویں جماعت تک کی تعلیم دینا ہے، جس کے بعد بچہ انگریزی تحریر و تکلم پر مضبوط گرفت، تلاوت قرآن میں قواعد کی رعایت اور حفظ کی پختگی کے ساتھ ساتھ اسلامیات، سائنس، میتھ، جغرافیہ جیسے عصری مضامین پر عبور حاصل کر سکے گا۔

۲- چار سالہ حفظ القرآن پلس پروگرام جو خاص طور سے حافظ بچوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جس کا مقصد دینی ماحول میں ایمان و عقائد کی مضبوطی کے ساتھ انگریزی میڈیم میں بارہویں تک کی تعلیم دینا اور ساتھ ساتھ نیٹ (NEET)، کلیٹ (CLAT) سی یو ای ٹی (CUET)، و دیگر مقابلہ جاتی امتحانات کی تیاری کرا کر ڈاکٹر، انجینئر، وکیل بننے کی راہ ہموار کرنا ہے۔

نوٹ: قیام وطعام کے ساتھ دینی تربیت کا خصوصی انتظام

پتہ: ڈیسینٹ اکیڈمی مظفرآباد سہارنپور یوپی

زیر انتظام: مرکز احیاء الفکر الاسلامی

Contact: +91-7703902672, +91-9540393388, +91-9719831058

مطبوعات
مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲روپے)	۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰روپے)	۴۷- یتیموں کی کفالت (۳۰روپے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰روپے)	۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰روپے)	۴۸-التحریر السدید لما للشیخ محمد مسعود لعزیزي الندوي من اتصالات واسانید (۱۰۰روپے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰روپے)	۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰روپے)	۴۹-الفرائد فی عوالی الاسانید وغوالی الفوائد (۲۰۰روپے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰روپے)	۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰روپے)	۵۰-الدر الفرید فی اختصار عوالی الاسانید (۵۰روپے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰روپے)	۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰روپے)	51- Rules of Raising Funds
۶-مکتوبات اکابر (۵۰روپے)	۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰روپے)	52- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰روپے)	۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰روپے)	
۸-بزرگان رائے پور (۵۰روپے)	۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰روپے)	53- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
۹-افکار دل (۲۰۰روپے)	۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰روپے)	
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰روپے)	۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰روپے)	54- The Rights of Perents and children (Rs.20)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰روپے)	۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰روپے)	
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰روپے)	۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳روپے)	55- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰روپے)	۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰روپے)	
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰روپے)	۳۷-القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة (۳۰روپے)	56- Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
۱۵-ساز دل (۱۰۰روپے)	۳۸-الامامة فی الصلوة ومسائلہا واحکامہا (۸۰روپے)	
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰روپے)	۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰روپے)	57-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰روپے)	۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰روپے)	
۱۸-درد دل (۱۰۰روپے)	۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰روپے)	58- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰روپے)	۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰روپے)	
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰روپے)	۴۳-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰روپے)	59- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰روپے)	۴۴-سیرت النبی الاکرمؐ (عربی) (۳روپے)	
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰روپے)	۴۵-میری والدہ مرحومہ (۴۰روپے)	60- Importance of Hijab in islam (Rs.30)
۲۳-سیرت نبی اکرم ﷺ (۳۰روپے)	۴۶-دو آب دار موتی (۳۰روپے)	

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058